من کی نگری

صوفیانہ افکار و خیالات اور روحانی تجربات کا نچوڑ

صاحبزادہ میاں محمد اشرف عاصمی ایڈووکیٹ

من کی نگری

صوفیانہ افکار و خیالات اور روحانی تجربات کا نچوڑ

صاحبزادہ میاں محمد اشرف عاصمی ایڈووکیٹ

قلم فاؤنڈیشن انٹرنیشنل

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں
2024ء

نام کتاب : من کی نگری
مصنف : صاحبزادہ میاں اشرف عاصمی ایڈووکیٹ
بہ اہتمام : علامہ عبدالستار عاصم، سلیمان علی چودھری
قانونی مشیر: صاحبزادہ حذیفہ اشرف عاصمی ایڈووکیٹ
ناشر : قلم فاؤنڈیشن، انٹرنیشنل

ملنے کا پتا
قلم فاؤنڈیشن انٹرنیشنل
یثرب کالونی، بینک سٹاپ، والٹن روڈ لاہور کینٹ پاکستان
0300-0515101 / 0323-4393422
qalamfoundation2@gmail.com

انتساب!

بڑے بیٹے

صاحبزادہ میاں محمد عمر عاصمی

کے نام

جو اپنے روحانی جد امجد

حضرت شیخ حافظ خواجہ میاں محمد اسماعیل سہروردی

المعروف حضرت میاں وڈا صاحبؒ

اور

حضرت حکیم میاں محمد عنایت خان قادری نوشاہیؒ

کے عظیم مشن کا علمبردار ہے

فہرست

✧ پیش لفظ	صاحبزادہ میاں محمد اشرف عاصمی	7
✧ مصنف کا تعارف		10
✧ سوچ کا آئینہ		12
✧ فراق وہجر کی حقیقت		14
✧ زندگی بے یقین موت پُر یقین		16
✧ خالق عطا ہی عطا		20
✧ حضرت واصف علی واصفؒ کی فکری اساس		24
✧ عشق مجازی سے عشق حقیقی کا سفر		32
✧ طالب کے من کی چاہت کی تڑپ		35
✧ تدبیر، تقدیر، خالق کی رضا		38
✧ روح، جسم اور زندگی		41
✧ رب ہی تو رب ہے		45
✧ نبی پاک ﷺ سے عقیدت کے تقاضے		48
✧ من کی اُجڑی بستی		52
✧ من کی راحت		55
✧ مومن کی موت اور اُس کی روح کا سفر		58
✧ میاں جیؒ کا ڈیرہ		63
✧ معاشرے میں منافقت کی بہتات		69

- معاشرے کے ناسور؟ 75
- فکر حسینؓ کے پیکر۔۔؟ 84
- خالق اور بندے کے تعلق کی بنیاد۔ خیر البشر ﷺ 86
- خود آ گاہی 90
- عشق رسول ﷺ کے بغیر زندگی فضول 95
- خالق اور مخلوق کا لازوال تعلق تقدیر اور تدبیر 99
- انسانی افعال اور تقدیر پر رزقِ حرام کے اثرات 103
- حسد کی آفت۔ ناشکری کی انتہا 107
- غازی علم دین شہیدؒ کا ہم سفر غازی ممتاز قادری شہیدؒ 110
- عشق رسول ﷺ ہی ہمارا ایمان 114
- دیوانگی، عشق، ایمان 117
- درد کی دولت، فقر کی بادشاہت 120
- بندہِ خاکی کی فطرت 123
- عظمتِ رسول ﷺ 126
- حضرت اویس قرنیؓ عشق رسول ﷺ تھا جن کا امام 130
- احساسِ عبدیت 133
- شہید تحریک پاکستان عظیم روحانی شخصیت حضرت بابا ولایت شاہ قادری نوشاہیؒ 136
- محب النبی حضرت خواجہ فخر الدین فخر جہاں دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی حیات و تعلیمات 141
- حضرت شیخ حافظ خواجہ میاں محمد اسماعیل سہروردی المعروف حضرت میاں وڈا صاحبؒ 151

پیش لفظ

من کی دُنیا میں ڈوبے بغیر سراغ زندگی پایا جانا مشکل ہی نہیں ناممکن بھی ہے۔ اپنے من کا تعارف نہ ہوتو اپنے رب کا تعارف بھی حاصل نہ ہوسکتا ہے اور اِس کے باوجود ہمیں عرفانِ خدا کے دعویدار جابجا نظر آتے ہیں۔ من کو مارا بھی جاتا ہے اور من کی جیت کی تگ ودو بھی کی جاتی ہے۔ یہی وہ مسلسل کاوش ہے جو تمام زندگی جاری و ساری رہتی ہے۔ اِس کاوش میں ہمارا مدمقابل محض اپنا من ہی نہیں بلکہ اِس سے بھی بڑھ کر شیطان لعین خود ہوتا ہے۔ جس کے بارے میں قران پاک میں واضع ارشاد ہے کہ شیطان ہمارا عدو مبین ہے۔ اِسکے شر سے ہمیں ہر لمحہ اور تمام تر دور حیات میں خبردار رہنے کی تلقین فرمائی گئی ہے۔ یہی وہ مرحلہ ہے جو من کی جیت کے سفر میں ہمیں طے کرنا ہوتا ہے۔ رب قہار و جبار ہے اور اُسے عاجزی پسند ہے بندہ جب اپنے خالق کے حضور عاجزی کے ساتھ دست بستہ عرض کرتا ہے تو خالق اپنے بندئے کے عجز کی لاج رکھ لیتا ہے اور اُسے وسعتیں اور آسانیاں عطا فرماتا ہے۔ ابلیس نے عاجزی کی بجائے ہٹ درمی کا راستہ چُنا یوں اُس کی ساری عبادتیں وریاضتیں بے معنی ہو کر رہ گئیں۔

من کی نگری وہ گوٹھ ہے جس میں کوئی بھی آپ کی مرضی کے بغیر آباد نہیں ہوسکتا۔

یہ نگری کہنے کو تو ایک چھوٹا سا گوٹھ ہوسکتا ہے اور وسعت میں بے کنار کی حدوں کو بھی چھوسکتا کیونکہ انحصار پھر ''من'' پر ہی ہے کہ اس میں کس قدر تواضع اور وسعت ہے۔ ہمیں اپنے من میں ڈوب کر زندگی کے اِس راز کا سراغ لگانا پڑے گا۔ گویا من سے دوستی سے قبل من سے آشنائی از حد ضروری ہے۔ من سے آشنائی کیا بہت آسان کام ہے؟ معلوم نہیں ہم نے تو ہر کسی کو یہ کہتے سنا ہے کہ خود کو پہچانو۔ مگر بعض دفعہ ہزار تدبر سے بھی یہ عقدہ حل نہیں ہوتا کہ وہ ''کیا گردوں تھا کہ جس کا ہے تو اک ٹوٹا ہوا تارہ''۔

من آشنائی خدا آشنائی ہی کا دوسرا نام ہے۔ خدا شناسائی کے لیے خدا کے قریب ہونا ہوگا۔ اس کے لیے خدا کے راستوں کی تلاش کرنا ہوگی اور ان راستوں کے رازدانوں سے رابطہ استوار کرنا ہوگا۔ خدا کے راستوں کے رازدان وہ ٹوٹے ہوئے من جن کے بارے میں خدا نے خود فرمایا کہ میں ٹوٹے ہوئے دلوں میں رہتا ہوں۔ دکھی انسانیت کی دادرسی کے مختلف انداز ہوسکتے ہیں ان کی باتیں سننا ان کی تلافی کرنا ان کی دلجوئی کرنا تواضع سے پیش آنا جتنا بڑا من ہوگا اتنی ہی بڑی تواضع دکھلائے گا جتنی بڑی تواضع ہوگی اتنے زیادہ مہمان ہوں گے جتنے زیادہ مہمان ہوں گے تو اتنا ہی بڑا مہمان خانہ، گوٹھ اور شہر ہوگا اور من کی نگری کی وسعت کا تعین ہوگا اور یوں من کو ایسے بے شمار تجربات کا سامنا کرنا پڑسکتا ہے جن کی وجہ سے اس من کی نگری کو شہر امان کا درجہ مل سکتا ہے۔

زیرنظر کتاب میں شامل مضامین میں قاری کے لیے ایسے ہی کچھ اسباق پوشیدہ ہیں جس کے مطالعے سے سفر زندگانی کی دشوار گھاٹیوں سے گزرنا کسی حد تک آسان ہوسکتا ہے۔ من کی نگری کی اشاعت کے موقع پر میں اپنی رفیقہ حیات ثمینہ ناز اپنے

بیٹوں محمد عمر عاصمی ، حذیفہ اشرف عاصمی ، محمد احمد رضا، محمد عمران اور اپنے بھائیوں میاں محمد آصف، میاں محمد اکرم ، میاں محمد اعظم اور اپنے ماموں جان حضرت حکیم میاں محمد عنایت خاں قادری نوشاہیؒ کے فرزند ارجمند صاحبزادہ حکیم میاں محمد یوسف خاں قادری نوشاہی کا شکر گزار ہوں جن کا ہر قسم کا تعاون شامل حال رہا ہے اور سب سے بڑھ کر اپنی امی جان کا شکر گزار ہوں جن کی دعاوں کے طفیل ہی سب کچھ ہے۔

صاحبزادہ میاں محمد اشرف عاصمی
ایڈووکیٹ
آفس 10/G فضل میراں بلڈنگ
4 مزنگ روڈ عقب لاہور ہائی کورٹ لاہور
0300-4262278
www.ashrafasmiadvocate.com

مصنف کا تعارف

صاحبزادہ میاں محمد اشرف عاصمی ایڈووکیٹ کا آبائی شہر لاہور ہے۔ان کے والد محترم صاحبزادہ میاں عمر دراز رحمہ اللہ استاد تھے۔ صاحبزادہ میاں محمد اشرف عاصمی ایڈووکیٹ نے اپنا بچپن اپنے ماموں جان حکیم میاں محمد عنایت خان قادری نوشاہیؒ کے زیر سایہ گزارا۔ گورنمنٹ جامعہ ہائی سکول سرگودہا سے میٹرک اور گورنمنٹ کالج آف کامرس سرگودھا سے بی کام کیا معاشیات، بزنس ایڈمنسٹریشن، ایجوکیشن میں ماسٹر کیا پنجاب یونیورسٹی سے ایل ایل بی کیا اور ایل ایل ایم کریمنالوجی کی ڈگری کے حامل ہیں۔ اسلامک لاء میں پوسٹ گریجویٹ ڈپلومہ کیا ہے۔تین دہائیوں سے زائد عرصہ سے قانون کی درس و تدریس اور شعبہ وکالت سے وابستہ ہیں۔ عشق رسول ﷺ کی سرخیل تنظیم انجمن طلبہ اسلام سے تعلق رہا۔ برصغیر پاک وہند کے عظیم صوفی بزرگ حضرت حافظ میاں محمد اسماعیل رحمہ اللہ المعروف میاں وڈا صاحب رحمہ اللہ لاہوری کے خانوادے سے تعلق ہے۔صاحبزادہ میاں محمد اشرف عاصمی ایڈووکیٹ کے دادا حافظ میاں محمد اسماعیل رحمہ اللہ اور پردادا حافظ میاں محمد ابراہیمؒ متحدہ ہندوستان میں محکمہ پولیس میں بطور افسر خدمات سرانجام دیتے رہے۔ ان کا خاندان صدیوں سے لاہور میں رہائش پذیر ہے۔ لاہور میں بھاٹی دروازے کے

بائیں جانب مسجد ابراہیم ان کے پر دادا کے نام سے منسوب ہے جو انہوں نے تعمیر کروائی تھی۔ صاحبزادہ میاں محمد اشرف عاصمی ایڈووکیٹ مختلف قومی اور بین الاقومی اخبارات میں سماجی اور قانونی موضوعات پر کالم لکھتے ہیں کالم نگاروں کی عالمی تنظیم ورلڈ کالمسٹ کلب کے سنئیر نائب صدر ہیں۔ انسانی حقوق کے حوالے سے انتہائی فعال کردار ادا کر رہے ہیں ہومن رائٹس کمیٹی لاہور ہائی کورٹ بار کے چیئرمین ہیں تاجدار ختم نبوت کمیٹی اور تحفظ ناموس رسالت ﷺ کمیٹی لاہور ہائی کورٹ بار ایسوسی ایشن کے بانی چیئرمین ہیں۔ صاحبزادہ میاں محمد اشرف عاصمی ایڈووکیٹ سلسلہ قادریہ نوشاہیہ میں حکیم میاں محمد عنایت خان قادری نوشاہیؒ آف زاویہ نوشاہی سرگودھا کے خلیفہ مجاز ہیں اس کے علاوہ آپ کی متعدد تصانیف منظر عام پر آچکی ہیں۔

سوچ کا آئینہ

جب حرص و ہوس کی عینک اُتار کر گرد و پیش پہ نظر دوڑائی جاتی ہے تو پھر خالق کی ہر ہر مخلوق کے ساتھ تعلق گہرا محسوس ہوتا ہے۔ انسان چرند پرند جانور سب کے ساتھ رویہ اُس نہج پہ دکھائی دیتا ہے جس طرح اپنی ذات سے منسلک کسی پیارے کے ساتھ ہو۔ پھر ملازم کے بچے کے لیے بھی اُسی طرح کی دل سے دعا نکلتی ہے جیسی اپنی اولاد کے لیے۔ کسی ذی روح کو تکلیف میں دیکھ کر وہ کیفیت وارد ہو جاتی ہے جیسے اُس کے ساتھ قلبی تعلق ہو۔ ہر ہر ذی روح کی بود و باش اور اُس کے احترام اور آرام کا ایسا ہی خیال کیا جاتا ہے جیسا کہ اپنی جان کو امن و سکون دینے کے لیے سعی کی جاتی ہے۔ فرق تو صرف سوچ کا ہے۔ اگر ہمسائے کے بیٹے کے ساتھ بغض روا رکھا جائے تو لازمی بات ہے اپنا بچہ بھی اس طرح کے رویے کی زد میں آ جائے گا لیکن ہمسائے کی اولاد کو اپنی اولاد کی طرح دل سے جانا جائے۔ بے شک کوئی مادی منفعت نہ بھی پہنچائی جائے لیکن صرف سوچ کے آئینے کو اس طرح ڈھال دیا جائے کہ کسی کے لیے بُرا نہیں سوچنا۔ محبت ہی محبت احترام ہی احترام۔ بس پھر کیا ہے اپنا من اطمینان کے راستے پر گامزن ہوگا۔ کدورتوں سے پاک دل و جان طمانیت محسوس کرے گی اور اللہ پاک بھی پھر ایسے شفاف آئینے کے حامل دل میں گھر کر جائے گا۔ اس سارے عمل میں کوئی مادی قربانی بھی نہیں دینا پڑی اور نہ ہی جسمانی مشقت کا سامنا ہوا۔ فقط سوچ کا دھارا

بدلا اور روح پر، قلب پر ایسی کیفیت پیدا ہوگئی کہ اس سے اپنے دنیاوی معاملات کے لیے بھی غور وفکر کے لیے پرسکون ذہن کی توجہ میسر آجائے گی۔ نبی پاک ﷺ نے جو انقلاب بپا کیا کیا وہ روحانی انقلاب تھا۔ اُس کا تعلق روح کے ساتھ ہے۔ یہ ہی طرزِ عمل نبی پاک ﷺ کے تربیت یافتہ صحابہ اکرامؓ، اولیاء کرامؒ کا رہا۔ انقلاب کے لیے کشت وخون نہیں بلکہ روح کی تازگی اور بالیدگی کی ضرورت ہے۔ اک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات۔

فراق وہجر کی حقیقت

عشق اور وصال دونوں ایک دوسرے کے ساتھ موافقت نہیں رکھتے۔ بلکہ عشق کی حدت کو وصال ٹھنڈا کر دیتا ہے اور ہجر عشق کی راہوں کو جلا بخشتا ہے۔ خالق اور مخلوق کے تعلق میں جو مخلوق کو دوری محسوس ہوتی ہے وہی اُس کی طلب میں اضافہ کرتی ہے اور یوں خالق کی عطا پر صابر وشکر اور خالق کی تلاش میں سرگرداں رہنا مومن کو ہمیشہ عشق کی وادیوں کا مسافر بنائے رکھتا ہے۔ اس سفر میں ٹھہراؤ نہیں ہوتا۔ اگر عشق حقیقی کے سفر میں قیام کی حالت رونما ہو جائے تو پھر سفر کی منزل وہیں تکمیل پا جاتی ہے اور یوں عشق اختتام پذیری کی جانب گامزن ہو جاتا ہے۔ ایسا قیام، ایسا وصال، ایسا ٹھہراؤ، عشق کی موت ہے۔ اس لیے کہ خالق کے عشق میں رواں دواں رہنا ہی تو بندہ مومن کی وہ صفت ہے جسے شاہین سے مماثلت حاصل ہے۔ شاہین صحرا و دریا، سمندروں، پہاڑوں، جنگلوں بیابانوں، شرق وغرب، افریقہ و یورپ، ایشیا ہر جگہ ہی تو اپنی منزل کی تلاش میں خود کو محو پرواز رکھتا ہے اور وہ کسی کے آگے سوال نہیں کرتا خود ہی وہ اپنے اسباب پیدا کرتا ہے۔ اُسے کسی کی منزل کو اپنی منزل کہنا ہی نہیں آتا۔ وہ تو اپنے راستوں میں ہی خود ہی روشن مثال ہوتا ہے۔ خالق کا عشق کسی بھی طور اختتام کی جانب سفر نہیں کرتا۔ رب پاک تو اپنے بندے کو کائنات کی سب سے افضل ترین ہستی بنائے ہوئے ہے اور خالق کے عشق کی انتہا یہ ہے کہ نبی پاک ﷺ کو ختم

الرسل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقام عطا فرما دیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کوئی بھی ہدایت کا سرچشمہ نہیں ہے۔ گویا نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منصب پر موجود ہونا بھی ربِ کائنات کا انسان کے اوپر اپنے بھرپور اعتماد کا مظہر ہے کہ رب پاک نے انسان کو ہی پوری کائنات میں سے اشرف رکھا ہے۔ علی ہجویریؒ کا داتا علی ہجویریؒ بننا بھی عشق کی راہ پر مسلسل گامزن رہنے کا سبب ہی تو ہے کہ ایک ہزار سال ہونے کو آیا ہے کہ پوری دنیا ذات علی ہجویریؒ کے تصرفات سے بہرہ مند ہو رہی ہے۔ صاحب کمال کا سفر نہ تو زندگی کے تابع ہوتا ہے اور نہ ہی موت اُس کے لیے رکاوٹ بنتی ہے۔ عشق کا کام تو جاری وساری رہنا ہی تو ہے۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تا ابد پوری کائنات کے لیے تمام جہانوں کے لیے رحمت ہونا بھی تو اسی عشق کے سفر کا ہی انداز ہے۔ ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ کے عشق سے اولیا کرام کا مالا مال ہونا بھی تو عشق کا سفر ہی ہے، جمود تو نہیں ہے۔ بلال حبشیؓ، اویس قرنیؓ، سلمان فارسیؓ کے عشق کے علمبردار میاں میرؒ، نوشہ گنج بخشؒ، خواجہ غریب نوازؒ، داتا علی ہجویریؒ ہی تو ہیں۔ عشق کا سفر کہاں رُکا ہے اسی سفر میں تو کائنات کی جان ہے اور اگر عشق کا سفر ہی رُک گیا تو کائنات پُرزہ پُرزہ ہو جائے گی۔ امام عالی مقام جناب حضرت امام حسینؓ کی موت کیسا حیات کا جام ہے کہ دنیا بھر کی حریت کو جناب امام عالی مقامؓ سے ہی حریت کی میراث مل رہی ہے۔ 1857 سے 1947ء تک کے اسلامیان ہندوستان پر ظلم وستم کے دور کے ہوتے ہوئے بھی قحط الرجال کے موسم میں بھی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خانؒ، اقبالؒ، محمد علی جناحؒ جیسی عظیم ہستیاں غلامی سے نجات کے لیے جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کو میسر آئیں۔ یہ ہی تو ہے وہ عشق جس کا سفر ہر حال، ہر دور میں جاری رہتا ہے اس کے آگے رکاوٹوں کی کیا مجال ہے۔

زندگی بے یقین موت پُر یقین

زندگی:

پھول کی کونپلیں جب صبح سویرے شبنم کے قطروں سے وضو کرتی ہیں تو اپنے رب کی شان میں رطب للسان ہوتی ہیں۔کوئل کی من بھاتی آواز ترنم سے فطرت کی تعریف وتوصیف کرتی ہے۔صبح صادق کے وقت ہل چلاتے بیل کے گلے کے گھنگروؤں کی آواز رب کی مدح کرتی ہے تو زندگی مسکرانے لگتی ہے اور رب کی اِس کائنات میں محبتوں اور خلوص کا کارواں رواں دواں رہتا ہے۔زندگی وفا کا دوسرا نام ہے ۔زندگی ہی رب کی پہچان کا سبب ہے۔ زندگی میں درپیش نشیب وفراز زندہ ہونے کی علامت ہیں۔زندگی ماں کی گود، زندگی دادی اماں کی لوری زندگی باپ کا پیار زندگی بہن کی عقیدت زندگی کائنات کی سب سے محبوب ہستی رسالتِ ماب ﷺ کی وساطت کا سبب۔زندگی لہلہاتے کھیتوں میں اُگنے والے اناج کا پتہ دیتی ہے زندگی پہاڑوں ، ریگستانوں، میدانوں میں رقص کرتی ہوئی وہ سہانی خوشبو ہے جوخالقِ کائنات کی عظمتوں کا ادراک بخشتی ہے۔زندگی فقیر کی درگاہ سے لے کر بادشاہوں کے محلوں کی غلام گردشوں میں گھومنے والی وہ صدا جو سب کی ایک جیسی ہے جس میں نہ ذات کا فرق نہ مذہب کا فرق اور نہ ہی رنگ، امارت اور غربت کا تضاد۔کیونکہ زندگی تو رب کی شان کا ایسا اظہار ہے جس کی وجہ سے ربِ کائنات نے خود کو ظاہر کیا۔

سفر:

روح پہ لگے کاری زخم ایسا گداز عطا کرتے ہیں کہ وہ زخم زندگی کے معنی تبدیل کر دیتے ہیں۔ انسان کی جبلت میں خواہشات کا جو سمندر طوفان اُٹھائے ہوتا ہے اُس کے آگے بند باندھنے کے لیے وہی درد گدازیت کا سبب بنتا ہے جس درد نے انتہاء کی تکلیف میں مبتلا رکھ چھوڑا ہوتا ہے۔ جو لمحات درد کا سبب بنتے ہیں وہ ساعتیں زندگی کا حاصل قرار پاتی ہیں گویا گوہر نایاب کا وجود میں آنا بہت کچھ لُٹ جانے کے بعد ممکن ہو پاتا ہے لیکن فقیر کی صدا تو درحقیت اللہ پاک کی حضوری کے لیے ہوتی ہے۔ اِس میں مادیت کا عنصر نہیں ہوتا۔ فقیر تو بھٹکتی ہوئی راہوں پہ چلتا ہوا اپنا مقصد پالیتا ہے کیونکہ اُس کے اندر فطرت رچی بسی ہوتی ہے۔ فقیر کو ریاضتیں نہیں بلکہ عشق کی تمازت منزلیں طے کرواتی ہے۔ دکھ میں تکلیف اور خوشی میں طمانیت کا احساس رب کے وجود کے اظہار کی سیڑھی ہے۔ جہاں مثبت اور منفی کھوٹا اور کھرا نئے وجود میں ڈھل جاتا ہے اور قلب میں موجود حدت اُسے بے نیازی کے سفر پہ ڈال دیتی ہے۔ جہاں خیر اور شر کے فرق کی بات نہیں صرف اور صرف محبوب کی رضا ہی سب سے بڑا سنگ میل ہوتا ہے۔ جس طرح بہار کی نوید خوشیوں کا پیامبر ہوتی ہے اُسی طرح محبوب کی جدائی بھی وصال کا پیش خیمہ بنتی ہے۔ وصال کے لیے جدائی کے لمحات روح کو آہوں کی سُولی پہ لٹکائے رکھتے ہیں جو کہ روح کے سفر کو عشق کی مے کے ساتھ ہر لمحہ مدہوش رکھتے ہیں پھر وصال اور جدائی میں کچھ فرق محسوس نہیں ہوتا ہے۔ پھر میں اور تو کی تمیز ہوا ہو جاتی ہے۔ جو من تن پر جاری جور و ستم کو باعث نعمت سمجھتا ہے اُس من کو ملنا نہ ملنا، جدائی، حجاب کی کیفیات سرشاری سے محروم نہیں کرتیں۔

زندگی بے یقین موت پُر یقین:

موت کی آمد کے حوالے سے انسانی مزاج اِس طرح کا بنا ہوا ہے کہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ ابھی وقت نہیں آیا۔ اُس کے دماغ میں یہ تاثر فروغ پا جاتا ہے کہ اُس کا باپ دادا تو اتنا عرصہ زندہ رہے۔ اِس لیے ابھی وہ زندہ رہے گا۔ اُس کی سوچ میں ایک زینہ یہ بھی ہوتا ہے کہ فلاں شخص اتنا بیمار ہے اتنے عرصے سے لیکن وہ ابھی زندہ ہے۔ گویا وہ تو صحت مند ہے اِس لیے ابھی کافی وقت پڑا ہوا ہے۔ اِس سوچ سے موت کا ڈر تو برقرار رہتا ہے لیکن موت کے ڈر کی بدولت انسان ہموار راستے کی بجائے غلط راستوں کا راہی بن جاتا ہے۔ وہ اپنے رب کی اطاعت کو چھوڑ کر لالچ زدہ ہو جاتا ہے ایک رب کو منانے کی بجائے کئی رب تخلیق کر لیتا ہے کہیں رب اُسکا روپیہ پیسہ بن جاتا ہے اور کہیں رب اُس کی جھوٹی آن بان شان، کہیں اُس کی عظمت کوٹھی کار بنگلے میں اٹک جاتی ہے اور کبھی ہوس زدہ بن کر مخلوق اور رب دونوں کا نافرمان بن جاتا ہے۔ یہ سوچ کہ ابھی میرے مرنے میں وقت ہے اُسے اپنے حقیقی خالق سے دور کر دیتی ہے۔ اُسے حقیقی خالق کی ضرورت ہی نہیں محسوس ہوتی۔ وہ تو نوٹ اکھٹے کر رہا ہوتا ہے۔ اولاد کی تربیت تو کجا اُس کی تو اپنی تربیت کسی بھی کھاتے میں نہیں ہوئی تھی۔ بوڑھے والدین تو اُس کی اور اُسکی بیوی کی آنکھ میں کانٹے بن کر چبھتے ہیں۔ بڑا گھر بیوی بچوں کے لیے الگ الگ کاریں۔ شاپنگ دبئی میں۔ خواب کی طرح گزر جانے والی زندگی آخر ایک روز اچانک ختم ہو جاتی ہے۔ بیوی بچے باپ کی میت پر آنسو بہانے کے ساتھ مرے ہوئے کی جائیداد بنک اکاونٹس کی چھینا جھپٹی شروع کر دیتے ہے۔ باپ کی میت قبرستان ابھی پہنچی نہیں ہوتی اولاد جائیداد کے حصے بخرے کرنے کے لیے آپس میں دست و گریبان ہو چکی ہوتی ہے۔ بیٹوں کی بیویاں بھی اپنے میکے والوں کو

بھی اپنی اِس کشمکش میں بطور کمک شامل کر لیتی ہیں۔ یوں جس گھر کی خاطر مرنے والے نے بہت سے گھروں کو ڈسٹرب کیا ہوتا ہے وہ گھر اُس کے مرنے کے ساتھ ہی اور دفن ہونے سے پہلے ماچس کی تیلیوں کی مانند بکھر جاتا ہے۔جس موت سے آنکھیں چُرائی ہوئی ہوتی ہیں وہ موت اٹل حقیقت بن کر لمحوں میں اپنے اثرات دیکھا دیتی ہے اور قبرستان کے مکینوں میں ایک نیا اضافہ ہو جاتا ہے۔ یوں زندگی بے یقین اور موت یقین کے پردے میں چھپی ہوئی ہے۔ اگر ہم خالق اور اُس کے بندے کے تعلق کا سرسری سا بھی جائزہ لیں تو یہ حقیقت اظہر من الشّمس ہے کہ بندے کے جسم پہ موجود ایک ایک بال اُسکے رب کی رحمتوں اور نعمتوں کا احسان ہے۔ انسان کی زندگی میں پیش آنے والے نشیب و فراز قدرت کی جانب سے اپنے بندے کی زندگی میں ایک ارتعاش کے حامل ہیں۔ رب کی جانب سے ملی ہوئی سانسیں رب کی اس کائنات میں وقت پورا کر کے عالمِ برزخ کے راستے پہ رواں کر دیتی ہیں۔ انسان کو جو ملا ہوتا ہے وہ رب ہی کا تو ہوتا ہے۔ رب اِس جہان میں گزاری ہوئی زندگی کو بے مقصدیت کا شکار نہیں ہونے دیتا۔ اِس جہاں کے ایک ایک لمحے کو رب اپنے انداز میں جانچتا ہے اور اپنی ہی بنائی ہوئی مخلوق کو جزا و سزا کے عمل سے گزارتا ہے تا کہ زندگی کی گزری ہوئی ساعتیں بے ثمر قرار نہ پائیں۔ کیونکہ ہر عمل کا ردِعمل ہے رب نے یہ زندگی کا نظام یونہی کھیل تماشے کے لیے ترتیب نہیں دے دیا۔ سچائی اور جھوٹ کی قوتیں اپنے اپنے ہونے کی دلالت کرتی ہیں۔ دکھ مصیبتیں جھوٹ کا پلڑا دنیاوی لحاظ سے بھاری سمجھا جاتا ہے کیونکہ دنیا میں وقت گزارنے والا انسان زندگی کے لیے اپنا معیار بنا لیتا ہے۔ حالانکہ جو اِس زندگی کا جو خالق ہے اُس کے معیار کے مطابق زندگی بسر ہونی چاہیے۔

خالق عطا ہی عطا

خالق اور بندے کے تعلق میں خالق عطا ہی عطا ہے۔ خالق رہنماء ہی رہنماء ہے۔ خالق ہر لمحہ اپنے بندے کے ساتھ ہے۔ خالق کو اپنے بندے سے اتنی شدید محبت ہے کہ کسی اور ہستی کو نہیں ہوسکتی۔ خالق بندے کے ایک ایک فعل کو اپنی رحمتوں اور نعمتوں سے بہرہ ور کرتا ہے۔ خالق اور بندے کے درمیان ہلکی سے بھی کوئی لکیر نہیں ۔خالق بندئے کی ایک ایک ضرورت او ر ایک ایک خواہش سے آگاہ ہے۔ خالق اپنے بندے سے اتنی محبت کرتا ہے کہ وہ اُسے غم و تکلیف میں اکیلا نہیں چھوڑتا۔ قرانِ مقدس میں اللہ پاک خود اپنے متعلق فرماتا ہے کہ ''وہ اللہ ہی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، غائب اور ظاہر ہر چیز کا جاننے والا، وہی رحمٰن اور رحیم ہے وہ اللہ ہی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ بادشاہ ہے نہایت مقدس، سراسر سلامتی، امن دینے والا، نگہبان، سب پر غالب، اپنا حکم بزور نافذ کرنے والا۔ اللہ پاک ہر شرک سے پاک ہے وہ اللہ ہی ہے جو تخلیق کا منصوبہ بنانے والا اور اس کو نافذ کرنے والا اور اس کے مطابق صورت گری کرنے والا ہے اس کے لیے بہترین نام ہیں ہر چیز جو آسمانوں اور زمین میں ہے اُس کی تسبیح کر رہی ہے، اور وہ زبردست اور حکیم ہے۔

مسلمان صوفیاء اکرام، اولیاء اکرام اور بزرگانِ دین نے بھی االلہ کو کئی ناموں سے پکارا ہے، مثلاً سیدنا حضرت امام جعفر صادقؓ نے منعم (نعمت عطا کرنے والا)،

منان (احسان کرنے والا)، وتر (ایک یگانہ)،نعم المولیٰ (سچا ساتھی)،فرد (یکتا)، فعال لمایرید (جو چاہتا ہے وہ کرسکتا ہے)، سریع (جلدی کرنے والا)، متفضل (بزرگی والا) اور معین (اعانت کرنے والا) کو بطور اسمِ الٰہی تحریر کیا۔ شیخ ابن عربی، عبدالکریم اور الجیلی نے الاسمائکو اسم الٰہی کہا حضرت غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے سرو بالا (محبوب)، سلطان (بادشاہ)، صدرِ جنت (جنت کا مالک)، رفیق (دوست)، مونس (ساتھی)، بے چوں (بے مثال)، جملہ منم (سب کچھ میں ہی ہوں)، جزمن یک ذرّہ نیست (میرے بغیر ایک ذرّہ نہیں)، پیدائی (ظاہر)، پنہاں (باطن) کے الفاظ بطور اسمِ الٰہی پیش کئے۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ نے خدا (خود آنے والا)، ہست ءِ مطلق (آزاد ہستی) جبکہ مولانا جلال الدین رومی نے بادشاہِ حقیقی، مصلحی (صلاح کرنے والا)، سلطانِ سخن (کلام کا بادشاہ)، خورشید (نور، آفتاب)، لایزال (لازوال)، یکے (اکیلا)، محی عظم رمیم (مردہ ہڈیوں میں جان ڈالنے والا) کو بطور اسمائے الٰہیہ تحریر فرمایا۔

بابا بلھے شاہؒ نے پنجابی اور فارسی زبان کے الفاظ شوہ (خدا)، وہیا (وہی)، لاانتہا، ہمہ دان (سب جاننے والا)، قادر مطلق (ہر شئے پر قادر)، بے چون (بے مادہ)، نرویدہ (خداوند)، اِکلا (اکیلا)، اِک، احد (ایک)، سوہنا یار (پیارا ساتھی) کو اللہ تعالیٰ کے صفاتی ناموں کے طور پر استعمال کیا شاہ عبداللطیف بھٹائیؒ نے سندھی زبان کے الفاظ راول (محبوب)، ڈاٹر (داتا)، سجن (پیارا)، ھِک (ایک)، جوڑیاں جوڑ جہان (خالق کائنات)، دھڑیں (دینے والا)، صاحب (مالک) کے ذریعے خدا کو مخاطب کیا حضرت شاہ ولی اللہؒ نے توریت میں درج اسم الٰہی ''اہیا اشراہیا'' کو بھی

اپنی کتاب میں تحریر فرمایا اور اس کے معنی ''الحیء القیوم'' بتائے ہیں حضرت بابا فریدؒ نے اپنے اشعار میں اللہ اور رب کے ساتھ سائیں (خدا، محبوب)، شَوہ (مالک)، ننڈھڑا (صمد)، وڈ (بڑا)، صاحب سچے (سچا مالک)، صاحب سدا (مہربان مالک)، کھسم (مالک، رب)، دھنی (مالک)، کنت (رب) کو بھی بطور اسمِ الٰہی بیان کیا ہے شہنشاہ ہفت اقلیم حضرت بابا تاج الدین ناگپوریؒ نے بھی اللہ تعالیٰ کے کئی اسم اپنے ہندی اشعار میں بیان فرمائے ہیں۔ بابا تاج الدین شاعری میں اپنا تخلص ''داس ملوکا'' کرتے تھے۔ داس کے معنی بندہ اور ملوکا کے معنی خدا کے ہیں۔ ملوکا کے علاوہ بابا تاج الدینؒ نے داتا (پرورش کرنے والا)، رام (خدا)، پربھو (عبادت کے لائق) اور کرتا (قادر کریم) کو بھی اپنی شاعری میں اللہ کے صفاتی نام کے بطور استعمال کیا ہے۔ قلندر بابا اولیاء نے اپنی شہرۂ آفاق تصنیف ''لوح وقلم'' میں 134 اسمائے الٰہیہ تحریر فرمائے ہیں، جن میں سے چند ہم یہاں نقل کر رہے ہیں، یہ وہ اسماء ہیں جو معروف 99 اسماء کے علاوہ ہیں عدیل (انصاف کرنے والا)، معبود (عبادت کے لائق)، راشد (رہنما)، منعم (نعمت عطا کرنے والا)، شافی (شفا دینے والا)، کلیم (گفتگو کرنے والا)، خلیل (دوست)، نذیر (ڈرانے والا)، بشیر (خوشخبری دینے والا)، ناصر (مدد کرنے والا)، مختار (اختیار دینے والا)، قاسم (بانٹنے والا)، محسن (احسان کرنے والا)، مشیر (مشورہ دینے والا)، واقع (قائم)، وقیع (بھاری بھرکم)، امین (امانت دار)، جواد (سخی، فیاض)، طیب (پاکیزہ)، طاہر (مقدس)، کامل (غیر ناقص)، صبوح (پاک)، محمود (قابلِ تعریف)، حامد (تعریف کرنے والا) اور شاہد (حاضر) خالق کی اپنے بندے سے محبت کا یہ عالم کہ وہ رہنماء وہ منعم وہ شافی وہ کلیم وہ

خلیل ہے۔وہ اپنے بندے کو خوشخبری سنانے ولا ہے۔اللہ پاک کے نام کا ذکر کرنا بہت ہی بڑی فضیلت ہے۔ اِس سے بڑھ کر جب اللہ پاک کا حقیقی بندہ بن جائے تو پھر اپنے سارے دکھ اپنی ساری تکلیفیں اللہ پاک سے بیان کر کے اپنی ذمہ داری پوری کرے اور باقی کام خالق کا ہے کہ وہ اپنے بندے کی ہر ہر تکلیف ہر ہر دُکھ کا مداوا کرنے والا ہے۔ چند روزہ زندگی کے لمحات کو خود کو سوہانِ روح بنانے کی بجائے اپنی ساری التجائیں اپنے سارے دکھ اپنے سارے مسائل اپنے رب کے حضور پیش کر دیئے جائیں اور ساتھ ہی نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود پاک پیش کر دیا جائے تو اللہ پاک اپنے بندئے کو نا کام و نامراد نہیں لوٹاتا۔

حضرت واصف علی واصفؒ کی فکری اساس

حضرت واصف علی واصفؒ کو اللہ پاک نے وہ انداز گفتگو عطا فرمایا تھا کہ اُن کی بات دل میں اُتر جاتی ۔اللہ پاک ہر دور میں اپنے نیک بندوں سے معاشرے کے دکھی دلوں کے زخم بھرنے کا کام لیتا ہے۔ جناب واصف علی واصفؒ کی ظاہری حیات اور ظاہری حیات کے بعد والی زندگی دونوں ادوار تشنگانِ توحید کے لیے ایک عظیم سرمایہ ہے۔ آپؒ کی گفتگو سے فیض ہونے والا طبقہ وہ تھا جو کہ نام نہاد مُلایت کی وجہ سے مذہب سے دوری اختیار کیے ہوئی تھا۔لیکن جناب واصف علی واصف نے اُس طبقے کو رب کی محبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت اور مخلوق خدا کی محبت کی طرف راغب فرمایا جو کہ روایتی ملاؤں کی وجہ سے دین سے دوری اختیار کیے ہوئے تھا۔ یا ایسا طبقہ جن کے پاس سماجی حثیت بہت اچھی ہوتے ہوئے بھی روحانی سکون سے محروم تھا۔ایسے لوگ جناب واصف علی واصفؒ کی محفلوں سے فیض یاب ہوئے یا پھر اُن کے کالموں اور اُن کی کلام کی کتب کا مطالعہ کر کے جناب واصف علی واصفؒ کی سوچ جو کہ ایک ولی کامل کی سوچ تھی کہ لوگ ان کی طرف متوجہ ہوئے۔

اللہ کے نیک بندے جنہیں اولیاء اکرام کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اُن کے مشن کا مقصد اول و آخر انسانیت کی بھلائی ہی ہوتا ہے۔ اور انسانیت کی بھلائی کے حوالے سے کسی مذہب ذات پات کی کوئی تفریق نہیں ہوتی۔ یہاں ایم اے او کالج

لاہور میں ہونے والی گفتگو کی ایک نشست جس میں پاکستان کے حوالے سے بات ہوئی جس مذاکرے میں محترم عطاالحق قاسمی نے بزم اقبالؒ (ایم۔اے۔او۔کالج) اور ایوانِ وقت (روزنامہ ''نوائے وقت'') کے زیر اہتمام ایک مذاکرے کا اہتمام کیا۔ مذاکرے کا موضوع ''پاکستان'' تھا۔ اس مذاکرے میں علم و ادب کے حوالے سے ملک کی نامور شخصیات نے شرکت کی۔ کہنے کو تو یہ ایک مذاکرہ تھا' لیکن درحقیقت یہ سوال و جواب کی ایک نشست تھی' جس میں شریکِ محفل دانشور حضرات نے آپؒ کے روحانی علم سے اکتسابِ نور کیا۔ شرکائے مذاکر میں عظیم ہستیاں جسٹس انوارالحق۔ پروفیسر اشفاق علی خان۔ اشفاق احمد۔ منیر نیازی۔ خاطر غزنوی۔ ڈاکٹر سلیم اختر۔ عبدالمجید۔ اختر امان۔ اظہر جاوید۔ خواجہ افتخار۔ امجد طفیل شامل تھیں۔ جناب اشفاق احمدؒ صاحب کے سوال اور جناب واصف علی واصفؒ کے جواب کو درج کر رہا ہوں۔

اشفاق احمد: واصف صاحب! یہ کوئی روائتی مجلس نہیں بلکہ مجالس کی عام ڈگر سے ہٹ کر ہے۔ اس محفل میں' میں اور میرے ساتھی یہ جاننا چاہتے ہیں کہ ہماری ذات سے لے کر یہ سفر جو بہت پیچھے سے ہمارے بزرگوں کا سفر ہے' یہ سفر اسی اعتبار سے ہوا اور پاکستان معرض وجود میں آیا۔ لیکن یہ سفر بیرونی طور پر ہی نہیں ہوا کرتا بلکہ اس کے اندر ہی ایک سفر ہوتا ہے۔ چنانچہ سیاست اور معیشت کے پاکستان کے وجود میں آنے کا' پاکستان کے بننے کا اور پاکستانیوں کا جو روحانی سفر تھا۔ وہ سفر کیا بتدریج رواں ہے یا رک گیا ہے اور لوگ سستانے لگے ہیں۔ ہمارے درمیان جو اس وقت عوام موجود ہے جس میں ہم سب لوگ شامل ہیں' جو بڑے یقین کے ساتھ اور حتمی طور پر اس بات کو مانتے بھی ہیں اور اعلان بھی کرتے ہیں کہ پاکستان بنا اس لئے تھا کہ ہم اپنی زندگی

بہتر کرنا چاہتے تھے' ہم اپنی زندگیوں کو آزادی عطا کرنا چاہتے تھے اور ہم نہایت دلجمعی کے ساتھ اپنی تہذیب اور اپنی ثقافت کے حوالوں کے ساتھ زندگی بسر کرنا چاہتے تھے۔لیکن جب ہم اس سے ہٹ کر پیچھے کی طرف دیکھتے ہیں۔مثلاً ہم جو جالندھر' ہوشیار پور سے آئے تو ہم دیکھتے ہیں کہ بیاس کے مقام پر ایک چھکڑا جا رہا ہے' اس کو ایک ادھیڑ عمر کا آدمی ہانک رہا ہے۔اس چھکڑے میں ایک اس کا باپ ہے' بیوی ہے' اس کی دو بچیاں ہیں' ایک بیٹا ہے' وہ جا رہا ہے۔اچانک اس پر حملہ ہوتا ہے جس میں اس کا بیٹا مار دیا جاتا ہے۔وہ اس جگہ پر گڑھا کھود کر اپنے بیٹے کی لاش دفن کر دیتا ہے اور درود شریف پڑھتا ہوا چھکڑے کو لے کر پھر چل پڑتا ہے۔حالانکہ اصولی طور پر تو اسے اپنا سفر روک لینا چاہئے تھا۔پھر تھوڑا آگے جا کر اس کی بیٹی اٹھالی جاتی ہے۔ وہ پھر بھی درود شریف پڑھتا ہے۔اللہ' رسول ﷺ کو یاد کرتا ہوا آگے چل پڑتا ہے۔یعنی کیا اس کو اس بات کی خواہش اور طلب تھی کہ آگے چل کر مالی طور پر مجھے ایک سنہرا مستقبل نصیب ہوگا یا یہ کہ اتنے خوفناک سفر سے گزرنے کے بعد اصولاً اس کو یہ مان لینا چاہیئے تھا کہ اب میں منہ سے وہ الفاظ نہ کہوں جو میں کہتا ہوں یا مجھے رک جانا چاہیئے تھا۔لیکن وہ بدستور اپنا چھکڑا ہانکتا ہوا سرحد تک پہنچ جاتا ہے۔اب جب ہم بہت سمجھدار اور سوچنے والے ہو گئے ہیں' اب ہم کو اپنے آپ میں وہ خصوصیت نظر نہیں آتی۔ چنانچہ میں بالخصوص اور میرے ساتھی بالعموم یہ جاننا چاہیں گے کہ موجودہ صورتحال میں جب کہ ہم سیاسی طور پر تو سمجھ گئے ہیں کہ یہ ووٹ ہوتا ہے' یہ بیلٹ بکس ہے' یہ جمہوریت ہے اور ایسے اسمبلی بنتی ہے۔یہ سب کچھ تو ہم جان گئے ہیں اور اس کی تو اب ضرورت نہیں جاننے کی۔

بات یہ ہے کہ کیا ہمارے بچ نکلنے کے لیے کوئی ایسا سوئچ ہے جس سے ہم میں پھر وہی ایمان اور یقین کی کیفیت پیدا ہوگی۔ اور ہم پھر پہلے کی طرح اپنے مقاصد میں کامیاب ہوں گے۔ مایوسی کی فضا دور ہوگی اور غیر یقینی حالات بہتر ہوں گے، کیونکہ کچھ لوگ تو پاکستان کے قائم رہنے کے بارے میں بھی شکوک وشبہات کا اظہار کرتے ہیں۔ سوال لمبا ہو گیا ہے مگر اب یہ معلوم نہیں کہ میں اپنا مقصد سمجھا سکا ہوں کہ نہیں؟ واصف علی واصفؒ صاحب: حاضرین محفل کی خدمت میں سلام پہنچے۔ سوال بڑا واضح ہے اور اس کا جواب بھی بڑا واضح ہے۔ غیر یقینی حالات پر تقریریں کرنے والے کتنے یقین سے اپنے مکان بنا رہے ہیں۔ دراصل جس انسان کو اپنے آپ پر اعتماد نہیں وہ کسی مستقبل پر کبھی اعتماد نہیں کر سکتا۔ مستقبل حال سے ہے' اپنے حال پر راضی رہنا چاہئے۔ اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہونے کا مطلب ہی یہ ہے کہ ہم اپنے مستقبل سے مایوس نہ ہوں۔ اگر کشتی میں ایک انسان بھی خوش نصیب ہو تو اس کے کنارے لگنے کا شک نہ ہونا چاہئے۔ خوش نصیب وہ انسان ہے جو اپنے نصیب پر خوش ہو۔ آج کا انسان ایک نامعلوم اندیشے سے دو چار ہے۔ اندیشہ ذاتی' ملکی اور بین الاقوامی حالات کی وجہ سے ہے۔ ذاتی اندیشہ اس لئے ہے کہ ہماری زندگی کثیر المقاصد ہو کر رہ گئی ہے۔ خواہشات کی کثرت نے زندگی میں بے مقصدیت پیدا کر دی ہے۔ ہم کئی زندگیاں گزار رہے ہیں اور اس طرح ہمیں کئی اموات سے دو چار ہونے کا ڈر محسوس ہو رہا ہے۔ ملکی سطح پر ہم سیاسی مصلحتوں کی وجہ سے اندیشے میں مبتلا ہیں۔ وحدتِ افکار نہ ہونے کی وجہ سے وحدتِ کردار نہیں۔ اسی لئے ملت میں وحدت کا شعور نہیں۔ غور طلب بات یہ ہے کہ یہ کیسے مسلمان ہیں جن پر اسلام نافذ نہیں ہو

سکا۔ اور یہ کیسا اسلام ہے جو مسلمانوں پر نافذ نہیں ہو سکا۔ اندیشوں سے بچنے کا طریقہ بھی آسان ہے۔

اندیشے کی ضد امید ہے۔ امید اس خوشی کا نام ہے جس کے سہارے غم کے ایام بھی کٹ جاتے ہیں۔ فطرت کے مہربان ہونے پر یقین کا نام امید ہے۔ غور کرنا چاہیئے کہ موت سے زیادہ خوف ناک موت کا ڈر ہے اور موت کا ڈر بے معنی ہے کیونکہ ہمارا ایمان ہے کہ خطرات کے باوجود زندگی وقت سے پہلے ختم نہیں ہو سکتی اور احتیاط کے باوجود زندگی وقت کے بعد قائم نہیں رہ سکتی۔ میں یہ گذارش کر رہا ہوں کہ بہتر وقت آنے والا ہے۔ جس طرح موسم بدلنے کا ایک وقت ہوتا ہے اسی طرح وقت بدلنے کا بھی ایک موسم ہوتا ہے۔ ہم یہ جانتے ہیں کہ زندگی' موت کی حفاظت و پناہ میں ہے۔ ہم اجتماعی زندگی بسر کر رہے ہیں' لیکن ہم فرداً فرداً جوابدہ ہیں۔ لالچ نکل جائے تو خوف نکل جاتا ہے۔ جو اپنے فرائض کی ادائیگی کرتا ہے وہ خوف سے آزاد ہے۔ خوف کوتاہیوں کا نام ہے۔ ہم اپنے اعمال کی عبرت کے خوف میں مبتلا ہیں۔ گناہوں نے دعائیں چھین لی ہیں۔ ہم آج بھی ایک عظیم قوم بن سکتے ہیں اگر ہم معاف کرنا اور معافی مانگنا شروع کر دیں۔ اگر ہمارا فرض اور شوق یکجا ہو جائے تو زندگی خوف سے آزاد ہو سکتی ہے۔ اصل میں مادی اشیاء کی محبت نے ہم سے ذوق سفر چھین لیا ہے۔ ذوق سفر نہ ہو تو رہنماؤں کا شکوہ کیا؟ ہم بے سکون ہو چکے ہیں کیونکہ ہم دوسروں کا سکون برباد کر کے سکون حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ دل سے کدورت نہ نکلے تو سکون کیسے حاصل ہو؟ زندگی میں غم اور خوشی تو آتے ہی رہتے ہیں۔ بیدار کر دینے والا غم غافل کر دینے والی خوشی سے بدرجہا بہتر ہے۔ حقیقت ثابت نہیں کی جا سکتی۔ سورج کی روشنی کا

ثبوت دیکھنے والے کی آنکھ مہیا کرتی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ ملک قائم رہے گا۔ حالات بدلتے رہتے ہیں۔محروم ومظلوم کی دادرسی ہوگی۔حق والاحق پائے گا۔ہم سب ایک وحدت ہیں۔اصل میں جس کو اپنی فلاح کا یقین ہو وہ تبلیغ کرسکتا ہے تا کہ دوسرے اس نعمت میں شریک ہوں۔مبلغ کی صداقت کا ثبوت یہ ہوسکتا ہے کہ وہ دوسروں کو صرف اپنے علم میں شریک نہ کرے بلکہ اپنی آسائشوں میں بھی شریک کرے۔ہم طاقت اور دولت سے خوشی حاصل کرنا چاہتے ہیں۔عقیدے میں ہم فرعون کو ملعون کہہ چکے ہیں۔طاقت خوف پیدا کرتی ہے' خوف نفرت پیدا کرتا ہے' نفرت بغاوت پیدا کرتی ہے اور باغی ذہن ملک کے ٹوٹنے کی بد دعا کرتے ہیں۔ طاقت محبت میں بدل جائے تو ملک سلامت ہی سلامت ہے۔

نیکی لاٹھی نہیں جس سے بدی کو ہانکا جاسکے۔نیکی میزبان ہے جو بدی کی ضیافت کر کے اسے راہ راست پر لاتی ہے۔نیکی کا مزاج مشفق والدین کا سا ہے اور بدی باغی اور سرکش اولاد کی طرح ہے۔بدی محبت سے ٹھیک ہوسکتی ہے۔ابھی وقت ہے کہ ہم غور کریں' دعا کریں۔اپنے اعمال کی' اپنے افکار کی' اپنے الفاظ کی اصلاح کریں۔ خدا وہ وقت نہ لائے کہ لوگ یہ کہیں کہ ہمیں اس کا پہلے ہی اندیشہ تھا۔خدا ہمیں ہمارے اندیشوں سے بچائے۔اگر اللہ رحمت کے جوش میں مخلوق کو بخش دے اور گناہوں کو معاف کر دے تو کیا ہوگا موت کا منظر مرنے کے بعد؟ کیا اللہ معاف کرنے پر قادر نہیں؟ آج ہر انسان گلہ کر رہا ہے' کچھ لوگ مخلوق کا گلہ کر رہے ہیں' خالق کا گلہ کر رہے ہیں' مخلوق کے سامنے اللہ کا شکر ادا کرنے والے کہاں گئے؟ یقین دلانے والے کیا ہوئے؟ کیا ہمیشہ کے لئے بند ہونے سے پہلے ہماری آنکھ نہیں کھل سکتی؟ کیا ہم

دوبارہ یقین کی منزل کو حاصل نہیں کر سکتے' یقیناً کر سکتے ہیں۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ حالات بہتر ہوں گے جلد ہی۔ کیا اقبالؒ کے خواب کے بعد کسی مردِ مومن کو کوئی تازہ ملت ساز خواب نہیں دکھائی دے سکتا؟ کیا حالات بدل نہیں سکتے؟ کیا زندگی منفعت سے نکل نہیں سکتی؟ کیا ہم پر اس کی رحمت کے دروازے نہیں کھل سکتے؟ کیا ہم رحمۃ اللعالمین ﷺ سے مایوس ہو گئے ہیں؟ خدا ہمیں وہ نظر پھر سے عطا کرے گا۔ وہ دل پھر سے ملے گا۔

مسلمانوں کو آسانیاں دو' انہیں زیادہ علم کی ضرورت نہیں' یقین کی ضرورت ہے۔ معاف کرنے والے کے سامنے گناہ کی کوئی اہمیت نہیں۔ عطا کے سامنے خطا کا کیا ذکر۔ زندگی سے تقاضا اور گلہ نکال دیا جائے تو یقیناً سکون مل جاتا ہے۔ جھوٹا آدمی کلامِ الٰہی بھی بیان کرے تو اثر نہ ہو گا۔ صداقت کے بیان کے لئے صادق کی زبان چاہئے' بلکہ صادق کی بات کو ہی صداقت کہتے ہیں۔ کامیابی اہم نہیں' مقصد اہم ہے۔ برے مقصد میں کامیابی سے اچھے مقصد میں ناکامی بہتر ہے۔ پاکستان کے ٹوٹنے کا اندیشہ اس لئے بھی نہیں ہے کہ یہ صرف پاکستانیوں ہی کا نہیں' بلکہ یہ مسلمانانِ عالم کا مستقبل ہے۔ اِس کی بنیادوں میں شہداء کا خون ہے۔ اب اسلام کی عظمت کا نشان ہے۔ اسلام کی حفاظت اسلام خود فرمائے گا۔ اللہ حفاظت کرے گا۔ اللہ کے حبیب ﷺ اس کے محافظ ہیں۔ ہمارے اندیشے محض ذاتی ہیں یا سیاسی ہیں' ان میں نہ کوئی جواز ہے نہ بنیاد۔

اللہ کی رحمت اس کے غضب سے وسیع ہے۔ زندگی اور عقیدے کا فرق ختم ہونا چاہئے۔ جس خطرے کا وقت سے پہلے احساس ہو جائے تو وہ ضرور ٹل سکتا ہے۔ دعا اسی لئے ہوتی ہے کہ آنے والی بلاؤں کو ٹالا جائے۔ نیک انسان کی دعا بھی سب کی

نجات کا ذریعہ بن سکتی ہے۔خطرہ باہر نہیں ہوتا خطرہ اندر ہوتا ہے۔سانس اندر سے اکھڑتی ہے۔آج کے مسلمان کو موت کے خطرے سے زیادہ غریبی کا خطرہ ہے۔ پہلے غریب کی معاشی حالت کی اصلاح کی جائے پھر اس کے ایمان کی۔ بیمار سے کلمہ نہ سنا جائے اس کے لئے دوا کا انتظام کیا جائے۔آج انسانوں کے وسیع سمندر میں ہر انسان ایک جزیرے کی طرح تنہا ہے۔تنہائی کا خوف سب سے زیادہ خطرناک ہے۔تنہائی روح تک آ پہنچی ہے' اللہ کا سہارا ہی بچا سکتا ہے۔جو لوگ سیاسی اور سماجی ضرورت کے لئے اللہ کا نام لیتے ہیں' ان کے لئے مایوسی اور کربِ مسلسل کا عذاب ہے۔ایک معمولی سا واقعہ ہی غیر معمولی نتائج برآمد کر جائے گا۔بعض اوقات دور سے آنے والی آواز اندھیرے میں روشنی کا کام دیتی ہے۔

ایک چہرہ زندگی میں انقلاب پیدا کر سکتا ہے۔ پاس سے گزرنے والا خاموش انسان کئی تبدیلیاں پیدا کر جاتا ہے۔ایک نگاہ زندگی کا حاصل بن کے رہ جاتی ہے۔ مکڑی کا کمزور جالا ایک قوی دلیل کا کام دے جاتا ہے۔انسان کے مزاج کو بدلنے میں کوئی دیر نہیں لگتی۔ایک خوش مذاج انسان تمام محفل کو اداسی سے نکال سکتا ہے۔ ایک سوچ پورے فکر کے انداز کو بدل کر رکھ دیتی ہے۔اگر ہم شہداء کے نصیب پر یقین رکھتے ہیں، صوفیاء' علماء' فقراء کے نصیب پر یقین رکھتے ہیں۔اگر ہم اقبالؒ کے نصیب پر یقین رکھتے ہیں' اگر ہم اللہ' اللہ کے حبیب ﷺ پر' اسلام پر یقین رکھتے ہیں تو پاکستان کی سلامتی کا بھی یقین ہونا چاہئے۔ ایک انسان' صرف ایک انسان جو قائداعظمؒ کی طرح سب میں مقبول ہو' قوم کے نصیب کو بدل سکتا ہے اور کسی ایک رہنما کے آنے کا عمل اتنا ناممکن نہیں بلکہ ایسا ہوگا۔ایسا ہونے والا ہے۔ملک محفوظ رہے گا۔

عشق مجازی سے عشق حقیقی کا سفر

وفا ایک ایسے پھول کی مانند ہے جس کی آبیاری کے لیے کانچ کی کرچیوں پر چلنا پڑتا ہے۔محبوب سے وفا ہی تو عشق ہے اور عشق محبوب کی رضا کو ہی محب کی رضا گردانتا ہے۔محبت ،خلوص، احترام یہ جذبے وفا کے پھول کی خوشبو ہیں۔وفا کے پھول کی پتیوں کی آبیاری خون جگر سے ہوتی ہے۔وفاء کے پھول پہ بداعتمادی کی جھلسا دینے والی دھوپ کا اگر بسیرا ہو جائے تو وفا کے پھول کی پتیاں،محبت خلوص احترام رفتہ رفتہ مرجھا جاتی ہیں۔وفا عشق کا جزو لاینفک ہے۔عشق کی بنیاد ہی وفا پر ہے۔عشق کو ماپنے کا پیمانہ ہی وفا کا جذبہ ہے۔عشق جمع تفریق کا نام نہیں عشق تو محبوب کی رضا کے حصول کا نام ہے۔یہ سوچ کہ محب اِس حساب کتاب میں پڑ جائے کہ عشق کی ریاضتوں کی اُس کے محبوب کے ہاں کتنے پذیرائی ہوئی۔ایسا سوچنا عشق کی راہ کے آگے رکاوٹ ہے۔عشق نتائج کی پروا کیے بغیر محبوب کی محبت کی آگ میں ڈوبنے کا عمل ہے۔عشق تو محبوب کے لیے خود کو موت کے حوالے کرنے کا کا نام ہے۔عشق تو اپنے جسم پر کیل گاڑے جانے اور اور اُف تک نہ کہنے کا متقاضی ہے۔عشق مجازی سے عشق حقیقی کا سفر رفعتوں کا حصول ہے۔جو خود کو نہیں پاء سکا۔جس نے خود کو قابو میں نہیں کیا۔وہ کیسا محب ہے اپنے محبوب کو کیسے پاء سکے گا۔خود کو پانا ہی تو خود کو کھونا ہے۔خود کو کھو کر ہی

محب بنا جاتا ہے۔عشق اپنی ہستی کھونے کا نام ہے۔عشق محبوب کے در پہ لُٹ جانے کا نام ہے۔عشق سب کچھ ہونے کے باوجود کچھ نہ ہونے کا نام ہے۔مل جانا عشق نہیں۔ کھونا عشق ہے۔عشق روح کی تازگی اور جسم کے مردہ ہونے کا نام ہے۔عشق زندگی اور موت میں فرق مٹانے کا نام ہے۔عشق ''میں'' اور "تُو" کی تفریق ختم ہوجانے کا نام ہے۔زندگی کی اِک اِک ساعت اپنے ہونے کا احساس دلاتی ہے۔جوخود روح کا نام ہے۔وہ روح کے تعلق کے بغیر موت ہے۔زندگی عشق سے عبارت ہے۔روح چاہے اِس جہاں میں یا اگلے جہاں میں ہر جگہ ہے زندگی روح کی حیات کا نام روح کو موت نہیں۔عشق کو موت نہیں عشق مجازی میں جو تجربات بندے کو ہوتے ہیں اور اُن تجربات کی وجہ سے اُس کی بدولت بندہ جذب کی کیفیت سے ہمکنار ہونا سیکھ جاتا ہے اور عشق حقیقی اس کیفیت کو جلا بخشتا ہے۔ظاہر ہے عشق مجازی میں تو دونوں انسان۔ دونوں محدود عقل وفہم کے حامل۔محب اور محبوب دونوں اضطراب میں۔محب اور محبوب دونوں محدود اور لامحدود میں معلق،محب اور محبوب دونوں عمل ور دِعمل کے کچے دھاگے میں بندھے ہوئے۔محب اور محبوب اپنی عادات،رسم ورواج کی قربانی دے کر خود کو پشمانی میں پاتے ہیں۔لیکن عشق حقیقی جو کہ بندے اور اُسکے خالق کے درمیان ہے۔اس میں بندہ کائنات کی مالک،کائنات کی خالق ہستی سے رحم،محبت کا طلب گار ہوتا ہے۔خالق اپنے محبوب کو نوازنے کے لیے بے تاب رہتا ہے۔بندہ خطا ہی خطا اور خالق عطا ہی عطا۔بندے کی حقیقت دو چار پل اور خالق ہمیش سے ہمیش تک۔عشق مجازی میں محب اور محبوب کے درمیان کشمکش کا عنصر وقوع پذیر ہو جاتا ہے۔کہ محب ہی محب ہے یا محبوب ہے۔اس لیے محبوب ہونے کی ساری خصوصیات

صرف اور صرف صرف خالق میں ہیں۔لیکن کائنات میں ایک ہستی ایسی بھی ہے جو خالق کی مخلوق ہے۔لیکن خالق اُسکا محب ہے۔خالق نے کائنات کے رنگ، کائنات کے سارے انداز اپنے محبوب کے لیے پیدا کیے۔اس ہستی کو خالق نے اپنا محبوب قرار دیا۔اس ہستی پر خالق خود بھی سلام بھیجتا ہے۔اور اپنے فرشتوں کے ذمہ بھی یہی کام لگا رکھا ہے۔ساری کائنات کا محبوب خالق کائنات اور خالق کائنات کے محبوب جناب سرکارِ دو عالم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ خُدا کی رضا چاہتے ہیں دو عالم خدا چاہتا ہے رضائے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

❁❁❁

طالب کے من کی چاہت کی تڑپ

جب حرص و ہوس کی عینک اُتار کر گرد و پیش پہ نظر دوڑائی جاتی ہے تو پھر خالق کی ہر ہر مخلوق کے ساتھ تعلق گہرا محسوس ہوتا ہے۔ انسان چرند پرند جانور سب کے ساتھ رویہ اُس نہج پہ دیکھائی دیتا ہے جس طرح اپنی ذات سے منسلک کسی پیارے کے ساتھ ہو۔ پھر ملازم کے بچے کے لیے بھی اُسی طرح کی دل سے دعا نکلتی ہے جیسے اپنی اولاد کے لئے۔ کسی ذی روح کو تکلیف میں دیکھ کر وہ کیفیت وارد ہو جاتی ہے جیسے اُس کے ساتھ قلبی تعلق ہو۔ ہر ہر ذی روح کی بُود و باش اور اُس کے احترام اور آرام کا ایسا ہی خیال کیا جاتا ہے جیسا کہ اپنی جان کو امن و سکون دینے کے لیے سعی کی جاتی ہے۔ فرق تو صرف سوچ کا ہے۔ اگر ہمسائے کے بیٹے کے ساتھ بغض روا رکھا جائے تو لازمی بات ہے اپنا بچہ بھی اِس طرح کے رویے کی زد میں آجائے گا۔ لیکن ہمسائے کی اولاد کو اپنی اولاد کی طرح دل سے جانا جائے۔

بے شک کوئی مادی منفعت نہ بھی پہنچائی جائے لیکن صرف سوچ کے آئینے کو اِس طرح ڈھال دیا جائے کہ کسی کے لیے بُرا نہیں سوچنا۔ محبت ہی محبت احترام ہی احترام۔ بس پھر کیا ہے اپنا من اطمینان کے راستے پر گامزن ہوگا۔ کدورتوں سے پاک دل و جان طمانیت محسوس کرے گی اور اللہ پاک بھی پھر ایسے شفاف آئینے کے حامل دل میں گھر کر جائے گا۔ اِس سارے عمل میں کوئی مادی قربانی بھی نہیں دینا پڑی

اور نہ ہی جسمانی مشقت کا سامنا ہوا۔ فقط سوچ کا دھارا بدلا اور روح پر، قلب پر اِیسی کیفیت پیدا ہوگئی کہ اِس سے اپنے دنیاوی معاملات کے لیے بھی غور وفکر کے لیے پرسکون ذہن کی توجہ میسر آجائے گئی۔ نبی پاک ﷺ نے جو انقلاب بپا کیا وہ روحانی انقلاب تھا۔ اُس کا تعلق روح کے ساتھ تھا۔ یہ ہی طرزِ عمل نبی پاک ﷺ کے تربیت یافتہ صحابہ اکرام، ؓ اولیاء اکرامؒ کا رہا۔ انقلاب کے لیے کشت وخون نہیں بلکہ روح کی تازگی اور بالیدگی کی ضرورت ہے۔ اِک سجدہ جسے تو گراں۔ سمجھتا ہے ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات۔ انسان کی زندگی کے جتنے بھی ادوار ہیں شیر خوارگی، بچپن لڑکپن، جوانی بڑھاپا سارے ادوار انسان کی سوچ کے رنگ میں رنگے ہوتے ہیں۔ سوچ کا آئینہ دھندلا ہونے کی وجہ سے چاند چہروں کے خدوخال تک بگڑ جاتے ہیں اور اِس کیفیت میں گزرے ہوئے لمحات تقدیر اور تدبیر کی حقیقت کی ہیت میں ایسا اُتار و چڑھاؤ ظاہر ہونا شروع ہوجاتا ہے کہ محبت کے لمس سے محروم ساعتیں بے آب وگیاہ صحرا کی مانند ہوجاتی ہیں۔ خالق کی عطا کا مستحق بندہ وہی قرار پاتا ہے جس نے خالق کے بندوں کے ساتھ ایسا ہی سلوک کیا ہوتا ہے جس طرح کا سلوک وہ خود دوسروں سے چاہے جانے کی تمنا کرتا ہے۔ پھولوں پہ اٹھکھیلیاں بھرتی تتلیاں رنگ بکھیرتی خود کو تقدیر کے نقش پاء پر بسیرا کیے ہوئے شاداں ہوتی ہیں۔ پھولوں کا رس پی کر شہد جیسا لازوال آبِ مروت تخلیق کرنے پر مامور شہد کی مکھی تقدیر کی جانب سے تحفہ ہے۔ بندہ نوازی خالق کی عظیم رحمت کا سرچشمہ ہے۔

اپنے جذبات کو دوسروں پر لاگو کرنے کی چاہت میں حدود قیود کا پاس نہ رکھنا۔ انسانی جبلت میں موجود سب کچھ حاصل کرنے کی خواہش اعتدال کی راہ میں رکاوٹ بننے لگ جاتی ہے۔ اعتدال کے جذبوں کی تو تشکیک لازم ہونا من کی صفائی

کے مرہون منت ہے۔وقت کی رفتار کا احساس صرف اُن کو ہو پاتا ہے جن کی اپنے خالق کے ساتھ لو لگ جاتی ہے۔ جو سیم و زر کے بندے بن جائیں جن کو دنیاوی آسائشیں بھاء جائیں اُن سے پھر فطرت روٹھ جاتی ہے۔ دنیاوی مال وحشمت اُن کے پاؤں کی زنجیر بن جاتی ہے۔اِس زنجیر نے پھر ہر اُس راستے کی طرف جانے سے بندے کو روکنا ہوتا ہے جس میں خالق کی رضا ہو۔جس میں مخلوق سے وفا نہ ہو۔انسان کی جبلتی خواہشات کی تکمیل کا تو کوئی اختتام ہی نہیں۔ جو ہے اُس کو زیادہ ہونا چاہیے تھا اور جو نہیں ہے وہ کیوں نہیں ہے۔ بندہ اپنے خالق کی حاکمیت کی بجائے اپنے نفس کی حاکمیت کے زیر سایہ بہتا چلا جاتا ہے۔من کی دنیا ویران ہو جاتی ہے۔کھو جانے کا ڈر لُٹ جانے کا ڈر۔مر جانے کا خوف۔طرح طرح کے ڈر لگے رہتے ہیں وہ زندگی جس کو گزارنے کے لیے اپنے دماغ کو خواہشوں کی بھٹی میں جھونک دیا ہوتا ہے۔اُس زندگی میں رہنے کا مزہ ہی چھن جاتا ہے۔مال دولت کی چاہ نے رب کی چاہ اور رب کی مخلوق کی چاہ ختم کر دی ہوتی ہے۔ ہر کسی کو پھر مالی اسطاعت کی عینک لگا کر دیکھا جاتا ہے۔خلوص، وفا، محبت اور چاہت جیسے الفاظ ایسے شخص کے لیے معنی کھو دیتے ہیں۔خالق کا کرم اُس پر ہی ہونا ہوتا ہے جو خود کو خالق کے رحم و کرم پہ چھوڑ دیتا ہے جو عقلی سازشوں کے ذریعے خود کو ہوشیار بنا کر اور سمجھ کر رب کی خدائی سے مکر و فریب کرتا ہے اُس کی اپنی حیثیت صفر ہو جاتی ہے۔ اپنی حیثیت کو گنوا کر من کی دنیا کو ویران کر کے مال و دولت پا کر فقر کی دولت گنوا کر بندہ کیسے روحانی سکون پا سکتا ہے۔خالق تو ہر ساعت اپنے بندے پر کرم نوازی کے لیے تیار ہے۔کوئی طلب گار تو ہو۔عطا کرنے والا تو طلب گار کے انتظار میں ہے۔

❁❁❁

تدبیر، تقدیر، خالق کی رضا

خوبصورت سے خوبصورت شے جب گندگی میں گرتی ہے تو اُس کے اردگرد گندگی لگ جاتی ہے۔ بے شک وہ گندگی بعد میں اُتر جاتی ہے۔لیکن اُس گندگی کا جتنا وقت اُس شے کے ساتھ گزرا ہوتا ہے وہ اُس خوبصورت شے کو بھی کسی حد تک آلودہ کر دیتا ہے خوبصورت شے کی خوبصورتی پر بھی اُنگلیاں اُٹھنا شروع ہوجاتی ہیں۔ یوں خوبصورتی کا محور شے کسی طور بھی اُتنی پاکیزہ نہیں گردانی جاسکتی جتنا وہ گندگی میں گرنے سے پہلے تھی۔لیکن خالق کا اپنے بندے سے محبت کا یہ عالم ہے کہ وہ کہتا ہے جب کافر مرنے بھی لگے اور کلمہ پڑھ کر رب کی واحدنیت کا اقرار کرلے تب بھی وہ اُسے بخش دیتا ہے۔حالانکہ اُس کی ساری زندگی کفر میں گزری ہوتی ہے۔ بندے اور خالق کا تعلق اتنا محبت سے بھرپور ہے کہ خالق کفر کی حالت میں کیے گئے اُس کے سارے گناہ معاف کردیتا ہے۔ بندہ خالق کا نائب جو ہے۔ایک رب کی وحدانیت کا اقرار کافر کو وہ سفر طے کروا دیتا ہے جو کہ بڑا کٹھن ہے۔ بندے کے ساتھ رب کی محبت اتنی عظیم ہے کہ بندہ رب کی رحمتوں کا شمار نہیں کرسکتا۔کیا ایسا نہیں ہوسکتا کہ ہم اپنے رب کے بندوں سے پیار کرنا سیکھ جائیں کیونکہ رب تو بندے سے بے انتہا پیار کرتا ہے۔ وہ سب کا رازق ہے وہ بلاتخصیص رنگ وملت ومذہب سب کو روزی عطا کرتا ہے جو اُس کو مانتے ہیں اُن کو بھی دیتا ہے اور جو نہیں مانتے اُن کو بھی دیتا ہے۔ ہر انداز اور عمل کا جو

بھی ردِعمل پیدا ہوتا ہے وہ خالق کی ہی رضا بنتا چلا جاتا ہے۔سوچنے اور سمجھنے کی بات ہے کہ خالق اور مخلوق کے رشتے میں کتنی محبت ہے کہ خالق اپنے بندے کی رضا کو اپنی رضا بنالیتا ہے۔محبت کا یہ سفر بندے اور خالق کے درمیان اتنا مضبوط ہو جاتا ہے کہ خالق بندے کی دعا کو رد نہیں کرتا بلکہ لوحِ تقدیر پہ لکھا ہوا بھی بدل دیتا ہے۔

بندے کی رب کے ساتھ محبت کا یہ عالم کہ بندہ خود کو فراموش کر دیتا ہے اور اپنی ایک ایک خواہش کو اپنے خالق کی رضا پہ قربان کر دیتا ہے۔بندہ پھر خاکی اور نوری کے سفر سے نکل جاتا ہے نہ ہی وہ حیات اور ممات کا محتاج رہ جاتا ہے۔خالق اُس کی روح کی حقیقتوں کو جب اُس پر آشکار کرتا ہے تو پھر اِس دنیا یا اُس دنیا میں فرق صرف ایک سفر کا ہی رہ جاتا ہے۔تب بندے کو صوفی کہہ لیا جائے ولی کہہ لیا جائے۔اللہ کا دوست کہہ لیا جائے۔ایک ہی بات ہے۔دُکھ کو سُکھ بُھلائے اور درد کو چین بدی کا مداوا نیکی سے ہوتا ہے نفرت کو محبت مٹا دیتی ہے خالق کی محبت روح میں نیا جہاں بسا دیتی ہے خالق کے بندوں کی محبت عبد ہونے کا احساس دلا دیتی ہے محبت امن محبت سُکھ، محبت چین محبت لازوال روح لازوال محبت کا مسکن روح روح کو موت نہیں آتی محبت کو بھی موت نہیں آتی۔

عشق کی راہ کا سفر انوکھا ہے وہ عشق ہی عشق ہے جس میں من اور تن ایک جیسا ہو جائے۔عشق کی جیت ہر حال میں ہی ہے وصل بھی کامیابی ٹھہرا ہجر بھی کسی امتیاز سے کم نہیں عشق کی جیت تو ہر حال میں ہی ہے کتنا اعزاز بخشا ہے یہ عشق اِس کی حقیقت ہر حال میں بقا ہی بقا، وفا ہی وفا۔خواب ادھورے کس کام کے جب راہوں کا تعین ہی نہ ہو تب منزلِ مراد کی کیا حقیقت اِس گورکھ دھندے سے نکلنا یا نہ نکلنا بے معنی ہے خود کی

پہچان ہوئے بغیر۔قبر کا تصور اُس وقت کیا جائے جب اپنے پیاروں کے ساتھ خوشیاں منائی جارہی ہوں۔ جب اپنے گھر میں سکون کے ساتھ محوِ خواب ہوں۔جب ساری حیاتی کا حاصل سمجھی جانے والی منزل مل جائے تو اُس وقت جب ابدی گھر پکار رہا ہو اور انسان یہ سوچے کہ بس میں نے اب قبر میں اُتر جانا ہے۔تب زندگی کی بناوٹی خوشیاں کتنی پھیکی پڑ جائیں۔شائد تب زندگی کے ہونے یا نہ ہونے کا مطلب بھی سمجھ میں آجائے۔صوفیاء کے ہاں تو زندگی کا مقصد صرف ایک سفر ہے۔جس لمحے سورج کی کرنیں خالق کا پیغام کائنات میں بکھیرتی ہیں کوئل کی من بھاتی آواز خالق کی خدائی میں رنگ بھرتی ہے جب چاند اندھیری گُھپ رات میں ٹم ٹماتا ہے جگنو بھی اِس روشنی کا ننھا مسافر ہوتا ہے اِن لمحوں میں بندئے اپنے رب سے مانگتے ہیں کتنے خوش نصیب ہوتے ہیں جو اپنے لیے سب کچھ خالق سے ہی طلب کرتے ہیں۔تدبیر اور تقدیر کے سفر میں بندے اور خالق کی رضا تب ایک ہی بن جاتی جب بندہ بندگی کے پیمانے پہ پورا اُترتا ہے۔بندگی پہ پورا اُترنا اتنا مشکل نہیں ہے بس جو خالق کی رضا اُس کو بندہ اپنی رضا بنالے۔

روح، جسم اور زندگی

روح کی بے چینی زندگی کو قید خانہ بنائے رکھتی ہے۔عبرت کا نشان ہیں وہ لوگ جنہوں نے دھن دولت کو اپنی منزل بنائے رکھا اور اِس دُنیا میں آمد کے مقصد کو یکسر فراموش کیے رکھا۔انسان کے پیدا ہونے سے لے کر بچپن،لڑکپن، جوانی، بڑھاپا اور پھر موت۔اِن تمام ادوار میں جسم معکوس جانب سفر کرتا ہے۔اور روح کا سفر جاری و ساری رہتا ہے۔روح کے وجود میں رہنے تک جسم کی حرارت برقرار رہتی ہے لیکن جب روح پرواز کرتی ہے تو جسم مردہ حالت اختیار کر لیتا ہے۔جسم کے تمام اعضاء روح کے تابع اپنے فرائض کی ادائیگی میں مصروف عمل رہتے ہیں۔روح کا ہونا ہی دل و دماغ ہاتھ پاؤں پیٹ ٹانگیں اِن سب اعضائے رئیسہ کی زندگی کا باعث ہے۔ انسان جسم کا نام نہیں ہے اصل میں انسان نام ہی روح کا ہے۔جسم تو اِس دنیا کی باقیات میں سے ہے اور اِسی دنیا کی خاک کے سپرد ہو جانا ہے۔روح تو حکمِ ربی ہے اور اِس کو موت نہیں ہے۔جسم کی نشونماء صرف کھانا کھانے تک ہی محدود ہے۔اصل میں روح کی شادابی ہی اصل زندگی ہے۔روح جب تک چین سے نہ ہو تو اُس وقت تک روحانی اطمینان کیسے ممکن ہے۔

حق تعالیٰ نے فرمایا بے شک میں پیدا کرنے والا ہوں بشر کو مٹی سے پھر جب تیار کیا میں نے اسے اور پھونکی اس میں روح اپنی روح سے۔جو شخص جان انسانی کی

فنا کا قائل ہے وہ نہ مقلد ہے اور نہ ہی صاحبِ بصیرت ۔اگر صاحب بصیرت ہوتا تو جانتا کہ آدمی کی روح مرنے کے بعد اپنے مقام میں موجود رہتی ہے۔مرنے کے بعد ارواح کی دو قسمیں ہوتی ہیں ایک بدبخت لوگوں کی روح اور دوسری نیک لوگوں کی روح۔نیک صفت لوگوں کی روح کے متعلق قرانِ مجید میں ارشاد ہے۔اور ہرگز گمان نہ کرو اِن لوگوں کو مردہ جو اللہ کی راہ میں قتل کیے گئے۔بلکہ وہ اپنے رب تعالیٰ کے ہاں زندہ ہیں رزق دیے جاتے ہیں۔وہ خوش ہیں اِس پر جو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے عطا فرمایا۔اللہ پاک فرماتا ہے کہ تم نہ سمجھو کہ جو لوگ میری راہ میں مارئے گئے وہ مردہ ہیں بلکہ وہ زندہ ہیں اور اللہ پاک نے جو اُن پر فضل کیے ہیں اُس پر خوش ہیں۔غزوہ بدر میں کفار اشقیاء کو جب رسول مقبول ﷺ نے قتل کیا تو آپ ﷺ نے نام لے لے کر فرمایا کہ اے فلاں فلاں دشمنوں کے عذاب کے متعلق اللہ نے مجھ سے وعدہ فرمایا تھا میں نے وہ سچ پایا اور عذاب کے وعدے جو تم سے اللہ پاک نے کیے تھے مرنے کے بعد تم نے بھی سچ پائے۔ نبی پاک ﷺ سے لوگوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ یہ کافر تو مُردہ ہیں آپ ﷺ اِن سے کیوں کلام فرما رہے ہیں۔ نبی پاک ﷺ نے فرمایا: اِس اللہ پاک کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں مجھ محمد ﷺ کی جان ہے۔ یہ لوگ میری اِس بات کو تم سے زیادہ سنتے ہیں مگر جواب سے عاجز ہیں(کیمائے سعادت از حضرت امام محمد غزالیؒ صفحہ ۸۸) نبی پاک ﷺ کا فرمانِ عالیشان ہے کہ مومن کی موت کا جب وقت آتا ہے تو مومن کی روح ملائکہ کے جلوس کے ساتھ جاتی ہے۔ملک الموت کی قیادت میں پانچ سو فرشتوں کا وفد جلوس لے کر مومن کے پاس آتا ہے۔ملک الموت مردِ مومن کو سلام کرتا ہے۔اور کہتا ہے کہ

االلہ پاک نے آپ پر سلام بھیجا ہے۔روح قبض کر کے قبر میں نہیں لائی جاتی۔ایک ایک آسمان کا دروازہ کھلتا چلا جاتا ہے اور ملائکہ اللہ پاک کے حضور روح کو پیش کرتے ہیں۔تمام ملائکہ اللہ کو سجدہ کرتے ہیں۔اور پھر تمام ملائکہ اللہ کے نیک بندے کو اپنے جھرمٹ میں اللہ کے حضور سجدہ ریز کرواتے ہیں۔

حدیث پاک کے الفاظ ہیں کہ اللہ پاک حضرت میکائیلؑ کو کہتے ہیں کہ روح کو واپس اُس جسم میں رکھ دو جہاں سے نکال کر لائے ہو۔روح جسم سے جدا ہونے کے بعد اللہ کے حضور سجدہ ریز ہونے کے بعد اُس کے جسم کو قبر میں رکھا جاتا ہے۔حدیث کے مطابق لوگ بندے کے جسم کو دفن کر رہے ہوتے ہیں اور فرشتے روح کو اُس بندے کے جسم میں داخل کر دیتے ہیں۔حق وہی ہے جو خالق کی رضا ہے۔تو گویا اصل حقیقت گوشت پوست کی نہیں بلکہ روح کی ہے۔موت انسانی زندگی کے خاتمے کا نام نہیں بلکہ یہ تو انسانی زندگی کے اگلے دور کا نام ہے۔موت کے دروازئے سے گزر کر انسان اگلے دور میں داخل ہو جاتا ہے۔موت کا ذائقہ ہر کسی نے چکھنا ہے۔ذائقہ ایک کیفیت کا نام ہوتا ہے اِس کا وجود مستقل نہیں ہوتا۔جیسے اگر کوئی مشروب پیا جائے تو اُس کا ذائقہ کچھ دیر تک رہتا ہے لیکن اُس کے بعد اُس مشروب کے ذائقے والی کیفیت ختم ہو جاتی ہے۔یہی حال موت کا ہے کہ انسان نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے، مرنا نہیں ہے۔چونکہ ذائقہ ایک بے حقیقت شے ہے۔ایک دن میں کئی مرتبہ ذائقہ آتا ہے اور ختم ہو جاتا ہے۔اِس لیے تو موت ذائقہ بن کر آتی ہے اور چلی جاتی ہے۔اِس ذائقہ موت کی کیا مجال کہ وہ انسان کی حقیقت کو ختم کر سکے۔حضرت عمرؓ کا فرمانَ عالیشان ہے کہ لوگو: تم جب ایک مرتبہ پیدا ہو گئے تو پھر مستقل پیدا ہو گئے اب منتقل

ہوتے رہو گے۔ پیدائش زندگی کا آغاز ہے۔

بچہ ماں کے پیٹ میں بھی زندہ ہوتا ہے۔ کھاتا پیتا ہے۔ پیدائش کا مطلب ہی یہ ہے کہ پیدائش سے پہلے بھی زندگی میں تھا۔ ماں کے پیٹ سے دنیا میں آتا ہے۔ پیدائش سے پہلے زندگی کا مقام اور تھا اور پیدائش کے بعد اور۔ ماں کے پیٹ سے پہلے بھی تھا عالم ارواح میں۔ جب بچہ ماں کے پیٹ سے آتا ہے تو روتا ہوا آتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ شائد اُس کی موت ہوگئی ہے۔ کیونکہ اُسکے لیے تو جہان اُس کی ماں کا پیٹ ہوتا ہے۔ وہ سب کچھ اُسی کو سمجھتا ہے اور وہاں سے نکالے جانے پر روتا ہے۔ لیکن جب وہ اس جہاں میں آتا ہے تو اُسے اِس جہاں کی وسعت کا اندازہ ہوتا ہے۔ اُسے روشنی نظر آتی ہے۔ وہ پھر ماں کے پیٹ میں جانے کی بجائے اِس دنیا کو اُس دنیا سے زیادہ بہتر خیال کرتا ہے۔ اِسی طرح جب انسان اِس دنیا کو چھوڑ کر عالم برزخ میں جاتا ہے تو اُسے یہ دنیا بھی ماں کے پیٹ کی طرح چھوٹی لگتی ہے اور واپس اِس دنیا میں نہیں آنا چاہتا۔ جب وہ جنت کے نظارے کرتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ دنیا تو ایک قید خانہ تھی۔ وہ اپنے وطن کو جا رہا ہوتا ہے پھر پردیس میں آنے کو اُس کا جی نہیں چاہتا۔ ساری راحتیں موت پر قربان ہو جاتی ہیں کیونکہ رب پاک سے جو ملنا ہوتا ہے۔

❁❁❁

رب ہی تو رب ہے

رب پاک کی واحدنیت پر ایمان لانے کے بعد پھر سے بے اطمینانی سے دو چار ہونا ایسے ہی ہے کہ جیسے پانی کا گلاس ہاتھ میں ہو اور ہم اُسے پی نہیں رہے ہوں بلکہ اُلٹا پیاس پیاس کی رٹ لگا رہے ہوں ۔رب پاک کا بندہ ہونے کا جب ہم اقرار کر لیتے ہیں تو پھر بندگی کا تقاضا تو اُسی طرح ہے کہ جس طرح محب اپنے محبوب کی محبت کا دم بھرتا ہے اُسی طرح کا تعلق رب پاک اور بندے کے درمیان استوار ہو جاتا ہے۔ رب پاک کی یکتائی پر ایمان لانا اور خود کو اُس کا بندہ کہلوانا اِس بات کا ثبوت ہے کہ ایک ایک لمحہ ایک ایک ساعت رب پاک کی رضا کے لیے ہے۔رب پاک کا بندہ بننے کے بعد دُنیاوی خُداوں کی اطاعت سے نجات مل جاتی ہے اور حقیقی خالق کی پناہ حاصل ہو جاتی ہے ایمان کو اب کیسے مضبوط کیا جائے اِس کے لیے بندہ اپنے اقوال و افعال کو رب پاک کی رضا کے تابع کرے۔جب بندہ اپنے رب کی بات مانتا ہے تو رب پاک بندے کی رضا کو پورا کرنے والا بن جاتا ہے۔معاشرے جب من کے گندے اور تن کے اُجلے بن جائیں تو اُن کی اوور ہالنگ تب ہی ممکن ہے جب اللہ پاک کی رضا کو ہر لمحے مقدم رکھا جائے۔نفس کشی یعنی انسان اپنی ذات کی نفی کر لے اور عدل سے کام لے یعنی جو کام جیسا ہونا چاہیے ویسا ہی کیا جائے۔انسان جب اپنی

ذات سے عدل کرتا ہے تو اپنی خواہشات کو اپنے رب کی رضا کے آگے زیر کر لیتا ہے تو پھر اللہ پاک اپنے بندے کی حاجت پوری کر دیتا ہے۔ گویا اللہ پاک کا راضی ہونا بندے کی دعا کی قبولیت ہے اور دُعا کی قبولیت کے لیے بندے کا اپنے رب کی اطاعت کرنا ایک معیار ہے مطلب صاف واضع ہے کہ جو بندے اللہ پاک کی اطاعت کو اپنا شعار بنا لیتے ہیں تو پھر بندے کی رضا رب کی رضا بن جاتی ہے تب پھر اللہ پاک یہ اعلان فرما دیتا ہے کہ اے میرے بندے میں تمھاری آنکھ بن جاتا ہوں جس سے تو دیکھتا ہے۔ رب پاک کی آنکھ سے دیکھنے والا بندہِ مومن پھر کیسے دنیا اور آخرت میں ناکام ہوسکتا ہے۔ وہ تو اپنے رب کا دوست بن جاتا ہے اور رب پاک کہتا ہے میرے دوستوں کو نہ کسی کا ڈر ہے اور نہ خوف۔ بندے کا وجود جب رب پاک کی منشا کا پیروکار بن جاتا ہے تو پھر بندہ اپنے رب کی عطا کی ہوئی رحمتوں کے سائے تلے اپنے آپ کو ہر محاذ پر کامران پاتا ہے کیونکہ بندے کے وجود کا ہر حصہ رب پاک کی اطاعت پر قربان ہو چکا ہوتا ہے۔ دولت شان وشوکت کا ہوس کی حد تک حصول کے لیے کوشاں ہونا انسان سے اس کا سکون اور اطمینان چھین لیتا ہے لالچ آنکھوں پر پٹی باندھ دیتا ہے۔ خیر اور شر حلال اور حرام میں فرق کرنے کی صلاحیت ختم ہو جاتی ہے۔ رب پاک سے دوری اور شیطان سے نزدیکی کا عمل جاری رہتا ہے۔

شیطانی خصوصیات انسان کے اندر جاگزیں ہو جاتی ہیں۔ انسان کو پتہ اس وقت چلتا ہے جب وہ شیطانی قوتوں کا آلہ کار بن چکا ہوتا ہے اور اسکا دل سیاہ ہو چکا ہوتا ہے اس کے لاشعور میں یہ خیال راسخ ہو جاتا ہے کہ اُس نے تو کچھ نہیں کیا وہ تو صرف ہر کسی کے فعل کا اُسکے ردعمل کے طور پر جواب دیتا رہا ہے۔ لیکن وہ رحمان کو چھوڑ

کر شیطان کا ہمنوا بن جاتا ہے اور دنیا کے لیے اُسکا وجود نفع بخش نہیں رہتا بلکہ وہ تو ہر کسی پر بارگراں بن کر گرتا ہے۔ اگر انسان کو بطور مخلوق اس بات کا ادراک ہو جاتا ہے۔ کہ وہ ایک عظیم الشان ہستی کا بندہ ہے وہ ایک ہستی ہے جو یکتا ہے وہ ہر چیز سے بے نیاز ہے وہ ہستی کسی کی باپ نہیں ہے۔ وہ کسی کا بیٹا بھی نہیں ہے اس کا کوئی ہمسر اور ثانی نہیں یہ ادراک انسان کو ہر طرح کی غلامی سے نجات دلا دیتا ہے اور وہ خود کو اپنے خالق و مالک رب کائنات کی پناہ میں پاتا ہے۔ اسکو کسی اور معبود کی دست گیری کی تمنا نہیں رہتی وہ چرند، پرند، جن، فرشتوں دنیا کی ہر مخلوق سے ممتاز حیثیت اختیار کر لیتا ہے۔ اور بقول اقبالؒ پھر بندے کو ہزاروں جگہ سجدے کرنے سے نجات مل جاتی ہے۔ انسان صرف ایک ہستی کا غلام قرار پاتا ہے جس نے انسان کو پیدا کیا ہوتا ہے جو انسان کے لیے ہر طرح کے اسباب پیدا کرتا ہے۔ اور یہ ہی وہ ہستی ہے جس نے موت، زندگی اور رزق کو عطا کرنا ہوتا ہے۔

خالص توحید سے آشنائی مصطفٰے کریم ﷺ کے توسط سے ساری کائنات کو نصیب ہوئی ہے اور انسان اس نعمت سے آشنائی کے لیے نبی پاک ﷺ کا شکر گزار ہے کہ آپ ﷺ نے انسانیت پر یہ رحمت فرمائی کہ انسانوں کو اُن کے رب پاک سے ملایا۔ بقول اقبالؒ کے مرشد مولانا رومیؒ ہم خُدا خواہی و ہم دُنیا دوں، ایں خیال محال است وجنوں۔ یعنی تُو خُدا کو بھی چاہتا ہے اور ذلیل دُنیا کو بھی، یہ خیال، جنُون اور محال بات ہے۔

❁❁❁

نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عقیدت کے تقاضے

زمانے کے انداز بے شک بدل جاتے ہیں لیکن زمانہ تو ہمارے رب سے ہے رب تو وہی ہے جس نے فرعون، قارون کو مات دی ہزاروں سالوں پہ محیط یہ دُنیا نشیب وفراز سے گزرتی رہی ہے۔ حضرتِ آدمؑ سے لے کر حضرت عیسیٰؑ تک کے برگزیدہ انبیاء اور رُسل پوری کائنات میں رب کی واحد ربوبیت کے پرچار میں اپنی حیات صرف کرتے رہے۔ دوسرئے انبیاء بے شک اللہ پاک کی طرف سے مبعوث ہوئے اور اپنے اپنے دائرہ کار، علاقے میں اپنے فرائض کی ادائیگی کرتے رہے۔ ایسا بھی ہوتا رہا کہ ایک ہی وقت میں کئی نبی معبوث کیے گئے۔ لیکن جب تاجدار ختم نبوت نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث ہوئے تو اُس وقت کائنات کے ایک ایک ذرے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت رحمت بنی۔

رحمتِ عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کا دائرہ کار تمام زمینوں اور تمام آسمانوں اور ایک ایک انسان، چرند پرند، حتیٰ کے درختوں پر الغرض جس طرح اللہ پاک بغیر کسی دوسرے کے شریک کے رب ہے اِسی طرح نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جس وقت مبعوث کیا گیا اُس وقت صرف اور صرف آپ ہی اللہ پاک کے نبی اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ٹھہرے۔ اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رحمتِ دوعالم ہونا اور قیامت تک

آپ ﷺ کا ہی نبی ورسول ﷺ قرار پانا درحقیقت عظمت مصطفے ﷺ کی دلیل ہے کہ جس طرح ہمارا رب یکتا ہے اِسی طرح جس نبی پاک ﷺ کی غلامی کا دعویٰ مسلمان کرتے ہیں وہ بھی اپنے تمام تر کمال میں بالکل یکتا اور بے مثال ہے۔ نبی پاک ﷺ کی رحمتیں سارے جہانوں پر ہیں اور نبی پاک ﷺ کو اللہ پاک نے قاسم کے رُتبے پر سرفراز فرمایا ہے کہ نبی پاک ﷺ اللہ پاک سے لے کر تقسیم فرماتے ہیں۔ اب یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مسلمانوں کا عقیدہ ایک رب ایک نبی ﷺ ایک قران کی بنیادوں پر کھڑا ہے اور نبی پاک ﷺ نے ہمیشہ اپنے پرائے سب کے لیے دُعا فرمائی۔ جس سال نبی پاک ﷺ کو بہت ہی عظیم صدمات سے گزرنا پڑا یعنی آپ ﷺ کی زوجہ محترمہ حضرتِ خدیجہؓ کا وصال اور آپ ﷺ کے شفیق چچا جنابِ ابوطالبؓ کا وصال ہوا۔ اِس دور میں جب کہ آپ پر غم کے پہاڑ گر پڑے۔ آپ ﷺ وادی طائف میں تبلیغ کے لیے تشریف لے جاتے ہیں تو مشرکین آپ پر سنگ باری کرتے ہیں آپ ﷺ لہولہان ہو جاتے ہے حتیٰ کہ آپ کے نعلین مبارک میں خون بھر جاتا ہے۔ اللہ پاک فوراً جبریل امینؑ کو بھیجتے ہیں اور وہ آ کر کہتے ہیں کہ اگر آپ ﷺ فرمائیں تو پوری طائف کی وادی کو نیست و نابود کر دیتے ہیں لیکن آقا کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ نہیں میں تو رحمت عالم بن کر آیا ہوں اِن لوگوں کو نہیں پتہ کہ میں اُن کا کتنا خیر خواہ ہوں۔

دین اسلام کی حقانیت کے حوالے سے تو سب مسلمان عقیدت واحترام کی لڑی میں پروئے ہوئے ہیں لیکن یہ عقیدت درحقیت صرف زبانی کلامی ہے۔ نبی پاک ﷺ سے محبت کا دعویٰ اور اِس عقیدت اور محبت کا یہ عالم کہ یہ عقیدت عمل میں

نہیں ڈھل پا رہی۔ مسلمانوں کی سابقہ تاریخ عدل وانصاف کے عظیم ستونوں پر کھڑی ہے اور موجودہ حالات میں، کشمیر، مصر، افریقہ کے دیگر ممالک، لیباء، شام، فلسطین نوحہ کناں کیوں ہے۔ وجہ صرف یہ ہی ہے کہ اللہ سے محبت اور نبی پاک ﷺ سے محبت کا دعویٰ اخلاص سے خالی ہے مطلب یہ ہے کہ یہ دعوئے عمل میں نہیں ڈھل پا رہے۔ مثال کے طور پر اگر ہم کسی مرض میں مبتلا ہیں اور اُسکی شفایابی کے لیے دوائی ہمارئے ہاتھ میں ہے اور ہم چیخ و پکار کر رہے ہوں کہ مجھے تو آرام ہی نہیں آیا تو ہر ذی شعور شخص یہ ہی کہے گا کہ آپ نے تو دوائی تو ہاتھ میں پکڑی ہوئی ہے جب تک دوا استعمال نہیں کریں گے تب تک مرض کا تریاق کیسے ہوگا۔ مسلم اُمہ خصوصاً پاکستانی قوم کا بھی حال مریض جیسا ہے کہ رب، نبی پاک ﷺ اور قران پاک سب کچھ اُمت کے پاس ہیں لیکن یہ صرف عقیدت کی حد تک ہیں یہ عقیدت عمل میں نہیں ڈھل پا رہی اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ عمل کیسے ہو۔ موجودہ نفسا نفسی کے دور میں ہم نے ہر اُس رسم اور عادت کو اپنا رکھا ہے جس کی وجہ سے کردار سازی و تربیت ایک خواب بن کر رہ گئی ہے۔ معاشرئے کے ہر شعبے کے دیوالیہ پن نے آج ہمیں اُس مقام پر لا کھڑا کیا ہے جہاں پر ہر طرف تباہی ہی تباہی ہے۔ کیسے بدلیں گے حالات۔ علماء، اساتذہ، ڈاکٹرز، وکلاء، تاجر تو معاشی حیثیت کے لیے تگ و دو میں مصروف ہیں تو پھر کونسی ایسی قیادت قوم کو میسر آسکتی ہے جو کہ کھوئی ہوئی میراث واپس لا سکے۔ جو اطیوء اللہ و اطیوالرسول ﷺ کی کسوٹی پر پوری اُترتی ہو۔ جو جعلی ڈبہ پیروں کے چنگُل سے آزاد ہو۔ جس کی سوچ کے تانے بانے صرف اُمت کی یکجہتی سے وابستہ ہوں۔ جو بھی پارٹی اِس وقت سیاست میں ہے خواہ وہ مذہبی جماعتیں ہیں یا اُن کا انداز سیاست

لبرل ہے۔سب اِس وقت عہدوں کے لالچ میں ہیں۔نام نہاد علماء اور سیاسی رہنماء جب پروان چڑھ جاتے ہیں تو تب اُن کے اندر ہونے والی کیمیائی تبدیلیاں انہیں انسانیت سے دور اور مادیت کے نزدیک کر دیتی ہیں۔راقم کی ساری آہ وپکار صرف اِسی نقطے پر آ کر ٹھہر جاتی ہے کہ قحط الرجال کے اِس دور میں کون ہے جو آگے بڑھ کر پاکستانی معاشرے کی زبوں حالی کا علاج کر سکے۔جو احباب دین کی تبلیغ کے ساتھ وابستہ ہیں وہ سیاست کو شجرِ ممنوعہ سمجھتے ہیں اور سیاست کے روایتی کھلاڑی دینی طبقے کا سیاست میں آنا ناگوار سمجھتے ہیں۔پاکستانی نوجوان نسل بے روزگاری کی ایسی چکی میں پس رہی ہے کہ اِس نسل کو ملک کے معاملات سیاست سے دور کر دیا گیا ہے۔ماضی میں جو مذہبی طبقہ جات جن کا سیاست میں کافی اثر تھا جیسے کہ مولانا شاہ احمد نورانیؒ کی جماعت، جمعیت علمائے پاکستان، جماعت اسلامی، جمعیت علمائے اسلام اور تحریک نفاذ فقہ جعفریہ۔اِن جماعتوں کی نفوذ پزیری کافی حد تک تھی لیکن فی زمانہ یہ جماعتیں اب اپنی فعالیت کھو چکی ہیں۔

❁❁❁

من کی اُجڑی بستی

من کے اُجڑنے کی وجہ بہت سی ایسی بیماریاں ہیں جو ظاہری طور پر تو چھوٹی چھوٹی خواہشات سے جنم لیتی ہیں لیکن یہ ہی خواہشات من کے اندر ایسے مچلتی ہیں کہ کہ اُسکا اثر پھر تن پہ بھی دیکھائی دیتا ہے۔اِس لیے زندگی کو سوہان روح بنانے میں یہ ہی چھوٹی خواہشیں اژدہا بن جاتی ہیں جہاں پھر نیکی کا ٹھہرنا ممکن نہیں رہتا۔زمانے کے انداز کو اپنے اد پر حاوی کر لینے سے معاملات بگڑتے ہیں سنبھلتے نہیں۔لالچ ایک ایسا سراب ہے کہ انسان کو اپنی طرف اِس طرح کھینچتا ہے کہ انسان کے لیے بہت اہمیت کا حامل ہو جاتا ہے۔لالچ کا سلسلہ یوں ہی رُکتا نہیں بلکہ لالچ نئے لالچ کو جنم دیتا ہے۔یہ لالچ ایسے کنویں کی حیثیت اختیار کر جاتا ہے کہ اِس گڑھے سے باہر نکلنا مشکل ہو جاتا ہے بلکہ اِس سے قطع تعلق ہونا انسان کے لیے اتنا مشکل ہو جاتا ہے کہ اِنسان انسانیت کے دائرے سے بھی نکل جاتا ہے۔

یہ ہی لالچ پھر المیوں کو جنم دیتا ہے۔ایک کے بعد ایک المیہ۔زندگی کا مقصد صرف ہوس بن کر رہ جاتا ہے۔یہ ہی ہوس چھوتی بیماری کی طرح دیگر ہم عصروں کو بھی اپنا شکار بنا لیتی ہے بالکل اِسی طرح جیسے راہبر راہزن بن جائے۔انسان ہونے کے مقام سے لالچ انسان کو ہٹا دیتا ہے۔درندگی کا حامل بنا دیتا ہے۔محبت خلوص کے راستے کو ویران کر دیتا ہے۔وفا نام کی کوئی شے بھی لالچ کے قریب نہیں پھٹکتی۔انسانی

وقار کو نہ صرف شدید دھچکا لگتا ہے بلکہ ہمیشہ کے لیے زمین بوس ہوجاتا ہے۔صوفی چونکہ اپنے خالق کی طرف امید لگائے ہوتا ہے اور اُسے یہ ادارک ہوجاتا ہے۔کہ لالچ تو خود کو مردہ کرنے کا نام ہے چونکہ لالچ دنیاوی عارضی شے سے ہوتا ہے اِس لیے اُس شے کے اندر دیر پائی بھی نہیں ہوتی۔جب محرک یہ ہو کہ گوہر نایاب کو پانا ہے تو پھر اُس کی تلاش کے لیے صاحب نظر ہی تحریک پیدا کرتا ہے اور صاحب نظر کی تمام تر تحریک کا ماخذ عمل کی طرف سفر ہوتا ہے دعویٰ عشق اور پھر بعد ازاں عشق کی لاج رکھنا ہی عشق ہے۔اِس لیے صوفی کے اندر طمع نام کی کوئی شے نہیں ہوتی۔اِس کا مطلب یہ نہیں کہ صوفی کی کوئی ضرورت ہی نہیں ہوتی بلکہ بات یہ ہے کہ صوفی نے اپنی ضروریات کو محدود کرلیا ہوتا ہے۔اِس کو بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ تصنہ بناوٹ سے منزل نہیں پائی جاسکتی تفکرات انسان سے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سلب کر لیتے ہیں۔اِسی وجہ سے نادانستگی میں انسان سے ظلم روا ہوجاتا ہے۔انسان کا مقصد ہرگز نہیں ہوتا کہ وہ کسی کو گزند پہنچائے لیکن کیونکہ تفکرات نے اُس کی سوچ کو جامد کیا ہوتا ہے اِس لیے اُس سے ہر وہ عمل ہوجاتا ہے جو اُسکی جبلت کے خلاف ہوتا ہے۔اِن تفکرات کی وجہ سے خالق کو فراموش کر کے انسان دُنیاوی خدا بنالیتا ہے۔صرف ایک خالق کو سجدہ نہ کرنے کی وجہ سے اُسے بہت سوں کو سجدہ کرنا پڑتا ہے۔

اگر ایک خالق کے حوالے سارے دکھ درد کر دیے جائیں تو بس پھر خالق جانے اور خالق کا کام۔خواہ مخواہ چند اونس کے حامل دماغ پر اتنا بوجھ ڈال دیا جاتا ہے کہ انسان کا سانس تک رُکنے کو ہوتا ہے۔حتیٰ کہ چند روزہ زندگی کی معمولی اور جلد ختم ہونے والی خواہشوں کی بجائے انسان صرف اپنے خالق کو ہی کارساز مانے اور سارے دکھ اپنی جھولی سے نکال کر خالق کے حوالے کر دئے تو وہ دماغ جو چند مسائل

کی وجہ سے پھٹا جا رہا ہوتا ہے وہ دماغ اور دل پوری کائنات کو اپنے اندر سمو لیتے ہیں۔بس ایک کام کرنا ہے کہ خالق سے رشتہ کمزور نہ ہو پائے۔خالق تو مخلوق کے انتظار میں ہوتا ہے کہ مخلوق کب مجھے پکارتی رب پاک امید کا نام ہے۔رب پاک محبت سے بھرپور ہستی ہے۔رب پاک سے جب ہم امید باندھ لیتے ہیں۔تو پھر ہم خود کو اپنے دُکھوں اور غموں سمیت اپنے رب کی بارگاہ میں اپنے رب کے حوالے کر دیتے ہیں مسافر کبھی پلیٹ فارم پر مستقل قیام کا خواہاں نہیں ہوتا۔نہ ہی وہ پلیٹ فارم پہ خود کو محفوظ سمجھتا ہے۔اُسے کوئی اگر کہے بھی کہ اِسی جگہ رُک جاؤ تو تب بھی وہ کسی کی نہیں مانتا بلکہ اُلٹا ایسا کہنے والے کو پاگل گردانتا ہے کہ یہ جگہ ایسی ہے کہ یہاں مستقل قیام کیا جائے یہ دُنیا تو پلیٹ فارم سے بھی عارضی ہے اِس کے لیے خود کو، دوسروں کو تکلیف میں ڈالنا ایسے ہی ہے کہ آ بیل مجھے مار۔فراق وصال اُسکا ساتھ ہونا بھی دل کو خوف میں رکھتا ہے کہ شاید اب کہ یہ وصال کی آخری گھڑیاں تو نہیں ہجر کی ناتمام مسافتیں جب اپنا دامن پھیلا دیتی ہیں تو تب وصال کی دُعا کے ساتھ ساتھ ہجر کا دُکھ سایہ بن کر ساتھ ساتھ رہتا ہے لیکن روح کی حالت یہ ہوتی ہے کہ ہجر طمانیت دینی لگتی ہے کیونکہ ہجر کے بعد تو کسی اور ہجر کے درپیش ہونے کا دکھ تو نہیں۔من کے اندر سکون حاصل تب ہی ہوتا ہے جب مخلوق مخلوق کا خیال رکھتی ہے۔کسی کو دُکھ دے کر کسی کے مال پر قبضہ کر کے کسی سے رنجش کر کے من کی بستی کو آباد کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔جب خود سے دوسروں کو اُجاڑنے کا عمل ہو رہا ہے تو ردعمل بھی اُجڑنے کا ہی ہوتا ہے۔تخریب سے مزید تخریب پیدا ہوتی ہے۔

من کی راحت

انسانی مزاج بھی بہت حد تک متنوع ہے۔ اِس میں جہاں شگفتگی کی انتہاء دکھائی دیتی ہے۔قربانی اور اخلاص کا عظیم پہاڑ بن جاتا ہے۔ اپنے خون کا ایک ایک قطرہ محبت وآگاہی کے در پہ نچوڑ کے رکھ دیتا ہے اور زندگی کی ہر رفعت کو محبوب کی عظمت کے سامنے ہیچ گردانتا ہے۔لیکن جب اِسی مزاج کے برہم ہونے کی باری آتی ہے تو سارے تصوراتی محل زمین بوس ہوجاتے ہیں اور زندگی جہنم سے بھی بدتر محسوس ہوتی ہے۔انسانی جبلت میں خالق نے یہ شے رکھ چھوڑی ہے کہ دُشمن جان وقت کے ساتھ غم گسار بن جاتے ہیں اور غم گسار جانی دُشمن کا روپ دھار لیتے ہیں۔ اِس انسانی رویے کے پیچھے جو عامل کارفرماء ہے وہ یہ کہ انسان کو اپنی حقیقت سے آگاہی نہیں ہو پاتی۔ جو انسان خود کو پہچان لیتا ہے تو اُس کو اپنے اردگرد میں ہونے والی تمام تر حرکات وسکنات کا ادراک رہتا ہے۔اور اپنے سے متعلق افراد کے رویوں کے سلوک کا اعتدال کے ساتھ سامنا کرتا ہے۔

اگر تو انسان کو اپنی اصل کی سمجھ آجاتی ہے تو پھر اُسے یہ ادراک ہوجاتا ہے کہ ہر لمحہ اُسکے پاؤں کے نیچے زندگی کی ساعتیں کم کرتا جارہا ہے اور یہ زندگی دل لگانے والی جگہ نہیں ہے یہ تو بس ایک پڑاو ہے خواہ اِسے صحرا تصور کرلیا جائے اور بے شک اِس

زندگی کو نخلستان سمجھا جائے۔ انسانی ادراک انسان کو اُس کی معراج پہ پہنچاتا ہے۔ اِسی ادراک کی بنا پر اویس قرنیؓ بنا جاتا ہے۔ بلال حبشیؓ کا اعزاز ملتا ہے اور اِس ادراک کے پیچھے فیضان کارفرما ہوتا ہے۔ اور اِسی لیے تو خالق فرماتا ہے کہ ہدایت اُس کے لیے ہی ہے صرف جسے خالق نوازتا ہے۔ امکانات کی دُنیا ہے یہ، جو جو ہو رہا ہوتا ہے وہ وہ اپنا راستہ بنائے جا رہا ہے۔ اِس لیے ہونا ہی درحقیقت ردعمل کی ابتداء ہے۔ اِسی سے تعمیر اور تخریب دونوں کا ظہور ہوتا ہے۔ اِسی طرح محبت جفا اور وفا کے جذبوں کو اِیسی تمازت سے نوازتی ہے کہ من کی دنیا اور تن کی دنیا ایک جیسی ہو جانے کا ردعمل شروع ہو جاتا ہے۔ ہر ہر امکانی صورت کے پیچھے ایسی ہی سرگرمی ہوتی ہے جس سے راستے منفی اور مثبت دونوں میں کسی رُخ پہ گامزن ہو جاتے ہیں۔ روح کی تشنگی کی حدت نے یہ فیصلہ کروانا ہوتا ہے کہ عشق کی آگ میں ڈوبنا ہے یا عقل کی راہوں کا مسافر بننا ہے۔ راہی کی منزل کا پتہ اُس کے طور اطوار دے رہے ہوتے ہیں۔ جس طرح ماں کو اِس سے کوئی غرض نہیں ہوتی کہ اُس کا بیٹا اُس کو چاہتا ہے یا نہیں اُس نے تو صرف چاہنا ہوتا ہے یہ سب کچھ تو اُس کی جبلت میں ہے۔ ماں نے محبتیں شمار نہیں کرنا ہوتیں۔ محبتیں شمار تو وہ کرے جسکو کوئی طمع ہو۔ ماں نے تو بس صرف نوازنا ہے اپنی اولاد کو بیٹا ہو یا بیٹی ہو۔ اچھے اور بُرے کے پیمانے ماں کے نزدیک نہیں ہوتے اُس کا معیار صرف یہ ہی ہوتا ہے کہ اُس کی اولاد ہے۔ خالق بھی نوازتا چلا جاتا ہے اُسے بھی جو خالق کو اپنا رب مانتا ہے اور اُسے بھی جو خالق کو نہیں مانتا۔

خالق کی محبت ماں کی محبت سے ستر گُنا سے بھی زیادہ ہوتی ہے۔ خالق تو ماں اور اولاد دونوں کا خالق ہے۔ خالق اپنی مخلوق کے لیے کیسے منفی کر سکتا ہے وہ تو سراپا رحم

ہے وہ کریم ہے۔لیکن خالق کی عطا سے فیض یاب ہونے کے لیے ایسے راستے کا تعین کرنا پڑتا ہے جس کی منزل عشق ہو عقل خالی کسی کام کی نہیں ہے۔ ہوس کی نمو کی تیزی میں اضافہ کرنے والے اسباب خالق اور بندے کے درمیان دوری پیدا کر دیتے ہیں۔خالق نے تو کائنات کی تخلیق بھی صرف اپنے محبوب بندے نبی پاک ﷺ کی خاطر کی۔خالق نے تو اپنا ہونا بھی اپنے بندئے اور محبوب محمد ﷺ کے ظہور کی وجہ سے تخلیق کیا۔خالق کا خود کو خالق کہلوانا بھی مخلوق کی وجہ سے ظہور پذیر ہوا۔خالق اپنے ہی تخلیق کردہ پیغمبر اعظم و آخر نبی پاک ﷺ کا محب ہے۔امام عالی مقام حضرت امام حسینؓ کا اپنا سر کٹوانا، بلال حبشیؓ کا ریت پر جلنا، اویس قرنیؓ کا اپنے دانت مبارک خود اپنے ہاتھوں سے شہید کرنا۔غازی علم دینؒ، غازی ممتاز قادریؒ کا پھانسی پہ جھول جانا۔من کی دولت سارے امکانات کو اپنے تابع لے جاتی ہے جب جب عشق کی لو کی تمازتیں اپنی حدت سے ''میں'' کو میں نہیں رہنے دیتی سب تو ہی تو ہو جاتا ہے۔

❁❁❁

مومن کی موت اور اُس کی روح کا سفر

انسانی جذبوں میں محبت کا عمل دخل ہی انسان کو جینے کی اُمنگ دیئے رکھتا ہے۔ دنیا سے محبت نہ کرنے سے مراد مادیت سے ماورا ہونا ہے۔ اِسی لیے خالق کا ابدی ہونا اور بندے کا اِس جہاں میں فانی ہونا اور عالمِ برزخ میں پھر ہمیشہ کے لیے غیر فانی ہوجانا۔ اِس سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ بندے کا اس جہاں میں فانی ہونا اور پھر اگلے جہاں میں غیر فانی ہوجانا یقینی طور پر اِس دنیا کی حقیقت کے حوالے سے جس کسوٹی کو سمجھنے کی ضرورت ہے وہ یہ ہی ہے کہ یہاں عارضی قیام اور وہاں ہمیش۔ بندہ مومن کا جب اپنے رب سے ملاقات ہونے کا سبب بننے والی موت سے سامنا ہوتا ہے تو بندہ مومن کے لیے اُس کے رب کی جانب سے وہ موت تحفہ کا درجہ حاصل کر لیتی ہے۔ جتنی مرضی تدبیریں کر لیں آخر رخصت ہونا ہی ہے۔ اِس لیے اِس دنیا کی محبت کو مردار سے تشبہ دی گئی ہے۔

امام عالیٰ مقام حضرت امام حسینؓ کا اپنا سر کٹوانا قبول کر لینا۔ اپنے خاندان کو اپنے سامنے شہید ہوتا دیکھنا منظور کر لینا۔ حالانکہ جان بچانا تو لازمی امر ہے۔ لیکن جان کے بدلے میں سچائی کا ساتھ چھوڑنا حق نہیں ہے حق وہی ہے جو خالق کی رضا ہے۔ تو گویا اصل حقیقت گوشت پوست کی نہیں بلکہ روح کی ہے۔ موت انسانی زندگی

کے خاتمے کا نام نہیں بلکہ یہ تو انسانی زندگی کے اگلے دور کا نام ہے۔موت کے دروازے سے گزر کر انسان اگلے دور میں داخل ہوجاتا ہے۔موت کا ذائقہ ہر کسی نے چھکنا ہے۔ذائقہ ایک کیفیت کا نام ہوتا ہے اِس کا وجود مستقل نہیں ہوتا۔جیسے اگر کوئی مشروب پیا جائے تو اُس کا ذائقہ کچھ دیر تک رہتا ہے لیکن اُس کے بعد اُس مشروب کے ذائقے والی کیفیت ختم ہوجاتی ہے۔یہی حال موت کا ہے کہ انسان نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے،مرنا نہیں ہے۔چونکہ ذائقہ ایک بے حقیقت شے ہے۔ایک دن میں کئی مرتبہ ذائقہ آتا ہے اور ختم ہوجاتا ہے۔اِس لیے تو موت ذائقہ بن کر آتی ہے اور چلی جاتی ہے۔ اِس ذائقہ موت کی کیا مجال کہ وہ انسان کی حقیقت کو ختم کر سکے۔حضرت عمرؓ کا فرمان عالیشان ہے کہ لوگو:تم جب ایک مرتبہ پیدا ہوگئے تو پھر مستقل پیدا ہوگئے اب منتقل ہوتے رہو گے۔پیدائش زندگی کا آغاز ہے۔بچہ ماں کے پیٹ میں بھی زندہ ہوتا ہے۔کھاتا پیتا ہے۔پیدائش کا مطلب ہی یہ ہے کہ پیدائش سے پہلے بھی زندگی میں تھا۔ماں کے پیٹ سے دنیا میں آتا ہے۔پیدائش سے پہلے زندگی کا مقام اور تھا اور پیدائش کے بعد اور۔ماں کے پیٹ سے پہلے بھی تھا عالم ارواح میں۔جب بچہ ماں کے پیٹ سے آتا ہے تو روتا ہوا آتا ہے۔وہ سمجھتا ہے کہ شائد اُس کی موت ہوگئی ہے۔کیونکہ اُسکے لیے تو جہان اُس کی ماں کا پیٹ ہوتا ہے۔وہ سب کچھ اُسی کو سمجھتا ہے اور وہاں سے نکالے جانے پر روتا ہے۔لیکن جب وہ اس جہاں میں آتا ہے تو اُسے اِس جہاں کی وسعت کا اندازہ ہوتا ہے۔اُسے روشنی نظر آتی ہے۔وہ پھر ماں کے پیٹ میں جانے کی بجائے اِس دنیا کو اُس دنیا سے زیادہ بہتر خیال کرتا ہے۔اِسی طرح جب انسان اِس دنیا کو چھوڑ کر عالم برزخ میں جاتا ہے تو

اُسے یہ دنیا بھی ماں کے پیٹ کی طرح چھوٹی لگتی ہے اور واپس اِس دنیا میں نہیں آنا چاہتا۔ جب وہ جنت کے نظارے کرتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ دنیا تو ایک قید خانہ تھی۔ وہ اپنے وطن کو جا رہا ہوتا ہے پھر پردیس میں آنے کو اُس کا جی نہیں چاہتا۔ ساری راحتیں موت پر قربان ہو جاتی ہیں کیونکہ رب پاک سے جو ملنا ہوتا ہے۔

نبی پاک ﷺ کا فرمانِ عالیشان ہے کہ مردِ مومن کی موت کا جب وقت آتا ہے تو مومن کی روح ملائکہ کے جلوس کے ساتھ جاتی ہے۔ ملک الموت کی قیادت میں پانچ سو فرشتوں کا وفد جلوس لے کر مومن کے پاس آتا ہے۔ ملک الموت مردِ مومن کو سلام کرتا ہے۔ اور کہتا کہ کہ اللہ پاک نے آپ پر سلام بھیجا ہے۔ روح قبض کر کے قبر میں نہیں لائی جاتی۔ ایک ایک آسمان کا دروازہ کھلتا چلا جاتا ہے اور ملائکہ اللہ پاک کے حضور روح کو پیش کرتے ہیں۔ تمام ملائکہ اللہ کو سجدہ کرتے ہیں۔ اور پھر تمام ملائکہ اللہ کے نیک بندئے کو اپنے جھرمٹ میں اللہ کے حضور سجدہ ریز کرواتے ہیں۔ حدیث پاک کے الفاظ ہیں کہ اللہ پاک حضرت میکائیلؑ کو کہتے ہیں کہ روح کو واپس اُس جسم میں رکھ دو جہاں سے نکال کر لائے ہو۔ روح جسم سے جدا ہونے کے بعد اللہ کے حضور سجدہ ریز ہونے کے بعد اُس کے جسم کو قبر میں رکھا جاتا ہے۔ حدیث کے مطابق لوگ بندئے کے جسم کو دفن کر رہے ہوتے ہیں اور فرشتے روح کو اُس بندے کے جسم میں داخل کر دیتے ہیں۔ حضرت حسنؓ بن صالح کا بیان ہے کہ میرے بھائی علی بن صالح کی وفات جس رات کو ہوئی اسی رات انہوں نے مجھ سے کہا ''بھائی مجھے پانی پلاؤ'' میں اس وقت نماز پڑھ رہا تھا نماز سے فارغ ہو کر میں نے پانی پیش کیا مگر انہوں نے کہا'' میں پانی پی چکا ہوں'' میں نے دوبارہ پانی پینے کو کہا تو انہوں نے پھر

وہی جواب دیا کہ ''میں پانی پی چکا ہوں'' میں نے حیرت سے پوچھا ''میرے اور آپ کے علاوہ کوئی تیسرا آدمی نہیں ہے پھر آپ کو پانی کس نے پلایا ہے''؟ بھائی نے جواب دیا ''ابھی ابھی ایک نورانی فرشتہ آیا اور مجھے پانی پلانے کے بعد خوشخبری دی کہ تم تمھارا بھائی اور تمھاری والدہ ان لوگوں کے ساتھ ہیں جن پر اللہ تعالی نے اپنا انعام کیا'']ابن سندہ وغیرہ[حضرت عبدالرحمن بن غنم اشعریؓ کی روایت ہے کہ حضرت معاذ بن جبلؓ کا لڑکا طاعون عمواس کے مقام پر فوت ہو گیا اس کی وفات پر حضرت معاذؓ نے صبر وشکر سے کام لیا پھر جب حضرت معاذؓ کو ایک لڑائی میں کافروں کا نیزہ لگا اور وفات کا وقت قریب آیا تو آپ کے منہ سے یہ جملہ نکلا کہ ''دوست اپنی ضرورت سے آیا ہے وہ شخص کبھی کامیاب نہ ہوگا جو دوست کی حاجت پوری کرنے میں ندامت اور معذرت کرے'' حضرت عبدالرحمنؓ کا بیان ہے کہ میں نے یہ عجیب جملہ سن کر حضرت معاذؓ سے دریافت کیا کہ ''کیا آپ کو کچھ نظر آرہا ہے''؟ آپ نے جواب دیا ''جی ہاں۔۔میں نے اپنے بیٹے کی وفات پر جس صبر سے کام لیا تھا اس کی اللہ تعالی کی طرف سے عزت افزائی ہوئی ہے میرے پاس اس وقت میرا بیٹا آیا اس نے خوشخبری دی ہے کہ رسول اکرم ﷺ اپنے ساتھ مقرب فرشتوں، شہدا اور صالحین کے ساتھ حضرت معاذؓ کی روح پر نماز پڑھیں گے اور پھر جنت میں لے جائیں گے حضرت معاذؓ یہاں تک گفتگو کر کے بہوش ہو گئے ہم نے دیکھا کہ وہ بہوشی کے عالم میں کسی سے مصافحہ کر کے کہہ رہے ہیں ''مرحبا مرحبا''

اتنا کہہ کر وہ دنیا سے رخصت ہو گئے (ابن عساکر) آنحضرت ﷺ سے روح کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ روح اللہ کا حکم

ہے۔ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ میت پہچانتی ہے کہ کون اسے غسل دیتا ہے اور کون اٹھاتا ہے کون اسے کفن پہناتا ہے اور کون قبر میں اتارتا ہے(مسند احمد،معجم اوسط،طبرانی)روح کو دنیا میں گھومنے کی آزادی ہوتی ہے یا نہیں؟اس سلسلے میں یہ بیان کیا ہے کہ کفار و فجار کی روحیں سجین کی جیل میں مقید ہوتی ہیں ان کے کہیں آنے جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اصل بات یہ ہے کہ روح اپنے تصرفات کے لیے جسم کی محتاج ہے چنانچہ احادیث میں انبیاء کرام،صدیقین،شہدا اور بعض صالحین کو مثالی جسم دینے کا ثبوت ملتا ہے۔خلاصہ یہ کہ جن ارواح کو مرنے کے بعد مثالی جسم عطا کیا جاتا ہے وہ اگر باذن اللہ کہیں آجاتی ہوں تو اس کی نفی نہیں کی جاسکتی مثلاً شبِ معراج میں انبیاء کرام کا آنحضرت ﷺ کی اقتداء میں نماز ادا کرنے کے لیے بیت المقدس میں جمع ہونا،شہیدوں کا جنت میں کھانا پینا،سیر کرنا وغیرہ عراق کا تاریخی واقعہ بھی ایمان کو تازہ کرنے اور نہایت حیرت انگیز ہے جب بیسویں صدی عیسوی میں سینکڑوں لوگوں نے دو صحابہ کرام کی قبریں کھولیں تو ان کے مبارک جسم صحیح حالت میں موجود تھے اور ان کے چہروں پر نظر ڈالنے سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ انھیں دفنائے ہوئے چند گھنٹے ہوے ہیں حالانکہ وہ تقریباً چودہ سو سال پہلے دفن کیے گئے تھے ان کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں اور ان میں ایک غیر معمولی چمک تھی وہاں موجود اشخاص میں سے کوئی بھی ان سے آنکھیں ملانے کی ہمت نہیں کرتا تھا- جرمن ماہر چشم یہ منظر دیکھ کر فوراً مسلمان ہو گئے اور سینکڑوں بلکہ ہزاروں کا ایمان تازہ ہو گیا-

❁❁❁

میاں جیؒ کا ڈیرہ

میاں جیؒ کا ڈیرہ سرگودہا شہر کے پاس ہی ایک نواحی بستی میں ہے۔ میاں جیؒ عہد اسلاف کی وہ نشانی تھے جن کی زندگی عشق رسول ﷺ، پاکستان سے محبت اور انسانوں سے پیار سے عبارت ہے۔ میاں جیؒ کا اصلی نام شائد کسی کو بھی معلوم نہ ہو چھوٹا بڑا سب لوگ اُنھیں میاں جی کہتے۔ میاں جیؒ کے متعلق یہ ہی بات مشہور تھی کے انھوں نے مشہور حکیم قرشی سے حکمت سیکھی تھی۔ میاں جیؒ بہت اعلیٰ پائے کے نبض شناس تھے۔ میاں جیؒ کی حکمت کے ساتھ اور جو خصوصیت تھی وہ اُن کا روحانی فیض تھا۔ اِسی گھر میں کئی دہائیوں سے مقیم تھے۔ دن بھر لوگ آتے کوئی دوا لیتا اور کوئی دُعا کا طلب گار ہوتا۔ میاں جی روایتی پیری مریدی کے قائل نہ تھے لیکن اُن کے حلقے میں شامل افراد انتہائی پڑھے لکھے تھے۔ علماء، نوجوان، پروفیسرز، ڈاکٹرز، پی ایچ ڈی کے حامل ریسرچ سکالرز، پائلٹ، فوج کے اعلیٰ افسران۔ گویا دکانداری والی پیری مریدی سے کوسوں دور میاں جیؒ نے ایک ایسا نگر آباد کر رکھا تھا جہاں ہر دکھی کو جسمانی اور روحانی ہر بیماری سے شفا ملتی۔ میاں جیؒ نہایت نفیس انسان تھے۔ پاکستان اپنی آنکھوں سے بنتے دیکھا۔ اور اپنا سارا خاندان قربان کر کے ہجرت کی۔ مال و متاع سے بالکل رغبت نہ تھی۔ جو بھی اسباب ہوتے وہ ضرورت مندوں میں تقسیم فرما دیتے۔

عام دیکھنے والا یہ ہی تصور کرتا کہ شائد وہ کافی مال دار ہیں کہ ہر وقت لنگر کا اہتمام۔ جو بھی اُن کے ہاں آتا اُسے فوری طور پر کھانا پیش کیا جاتا۔ میاں جیؒ سادہ لباس پہنتے۔ سفید قمیض اور سفید رنگ کا ہی تہمد اور نوشہ گنج بخشؒ سے نسبت کا حامل پیلے سے رنگ کا کپڑا، جسے وہ صافا کہتے اُن کے کندھے پر ہوتا اور سفید رنگ کی کپڑے کی بنی ہوئی ٹوپی اُن کے سر پہ ہوتی۔ میاں جیؒ کی نفاست ہر کام میں اتنی کہ دیکھنے والوں کو رشک آتا۔ نہایت صاف سادہ کپڑے پہنتے اور بناوٹ دکھاوے سے ہمیشہ دور رہتے۔ یہ ہی وجہ تھی کہ جو بھی اُن سے ایک دفعہ ملنے آجاتا تو پھر ہمیشہ کے لیے اُن کی محفل کا شریک بنا رہتا۔ تاریخ عالم پر گہری نظر، اسلام کی حقانیت کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا میاں جیؒ کے دل و روح کے اندر۔ کتابوں کا ایک لازوال ذخیرہ کہ جہاں سے بڑے بڑے سکالر آکر استفادہ کرتے۔ اللہ پاک کے دوست میاں جیؒ ہر ملاقاتی سے ایسے ملتے جیسے کہ وہ اُن سے سب زیادہ قریب ہو۔ میاں جیؒ کا ڈیرہ ایسی درگاہ ہے کہ جہاں سے عشق رسول ﷺ کی دولت سے ہر کوئی مال و مال ہوتا۔

میاں جیؒ ہر آنے والے کو خصوصی محبت سے نوازتے اور کھانے پینے سے خوب خاطر مدارت ہوتی۔ نوجوانوں کی تعداد آپکی محفل میں ہمیشہ زیادہ ہوتی۔ حضرت اقبالؒ کے بقول ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی۔ ساقی بھی اگر میاں جیؒ جیسا ہو تو پھر عشق رسول ﷺ کا جام۔ دنیا کی ہر شے سے ماورا کر دیتا ہے۔ آپؒ کے لب ہلتے اور گویا ہوتے نبی پاک ﷺ کا نام جب بھی لیتے تو فرماتے سرکار دو جہاں ﷺ۔ آپؒ گویا ہوتے تو پھر الفاظ ہاتھ باندھ لیتے اور آپ بولتے الفاظ خاموش رہتے۔ آپ کے الفاظ میں دھن گرج ایسی کہ جیسے کوئی سولہ سترہ سال کا

نوجوان نبی پاک ﷺ کی محبت میں مخاطب ہے۔آپؒ کے الفاظ یہ پیغام دئے رہے ہوتے کہ جس کا دل مضطرب ہو وہ خود کو ہی نہ ڈھونڈ پا رہا ہو۔ جسے دنیا کی بے وفائی اور بے ثباتی کا دُکھ ہو۔پھر ایک ہی راستہ رہ جاتا ہے پناہ پھر ایسی جگہ ملے جہاں سے کائنات کی ہر ذی روح فیض لے رہی ہو۔جس کی خاطر خالق نے پوری کائنات پیدا کی ہو۔پھر مبدا خلق عالم کے علاوہ اور کون ہوسکتا ہے جس کے دربار سے رحمت کا حصول ہو۔جب تمام دنیاوی رشتے دم توڑ جائیں تو پھر ایک ہی ہستی کا سہارا رہ جاتا ہے جو کہ ماں باپ اولاد مال سب سے بڑھ کر محبت کا منبع ہے۔وہ ہستی صرف رسول پاک ﷺ کی ہے۔آپؒ کی گفتگو سن کر نوجوان سحر میں کھو جاتے۔میاں جیؒ کا ایک بہت بڑا وصف یہ بھی تھا کہ وہ ظاہری نمود و نمائش سے ماورا تھے اور نوجوانوں کے ساتھ اُن کا برتاؤ دوستوں جیسا ہوتا۔ ہر کسی کے دکھ درد کی خبر رکھتے۔رہنمائی فرماتے۔ حوصلہ دیتے اور خاص طور فرماتے کہ شیر بن۔جس جس کو اسباب درکار ہوتے اُس کی مدد فرماتے۔کوئی بنک اکاونٹ اور نہ کوئی تجوری۔سب کچھ ہی تو خالق کی مخلوق کے لیے وقف کیا ہوا تھا۔جیسے جیسے خالق نوازتا چلا جاتا ویسے ویسے میاں جیؒ تقسیم فرماتے چلے جاتے۔میاں جی کے ڈیرئے کا ایک عجیب وصف ہے کہ جب تک میاں جیؒ حیات رہے اُن کے ڈیرئے سے کوئی بھی شخص ناراض یا دکھی ہو کر نہ گیا۔ بلکہ ہر آنے والا سکون کی دولت لے کر گیا اور میاں جیؒ نے اپنے رب کی عطا سے اُس کو امید کی دنیا میں جینے کے عزم سے لیس کیا۔اکثر عشاء کے بعد نوجوان آپکے ڈیرئے پہ آجاتے اور میاں جیؒ سے اپنے دن بھر کے معاملات کی بابت اپنا احوال بتاتے۔آپؒ ہر کسی کو نوازتے۔ حوصلہ دیتے۔اور صوفیا کے انداز تربیت سے غیر محسوس انداز میں رہنمائی فرماتے۔

میاں جیؒ کی شخصیت اتنی دلنشین تھی کے اُن کے ڈیرے پہ آنے والا ایک ایک شخص اُن سے اپنے دل کی بات کہہ کر اپنا غم ہلکا کر لیتا۔کوئی نمود نمائش نہیں تو تھی میاں جیؒ میں۔ ہر کسی کی بات کو محبت سے سُنتے۔ بناوٹ اور تصنہ تو چھو کر بھی میاں جیؒ کو نہیں گزرے تھے۔آپؒ بعض اوقات چار پائی پر لیٹے لیٹے پاس بیٹھے ہوئے حاضرین کو تصوف کے دریچوں سے روشنی دیکھاتے چلے جاتے آپؒ فرماتے کہ لو بھی دوستو: پھر آپؒ کا فرمان شروع ہوجاتا اور گفتگو کا ایسا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے کہ سُننے والے محو ہوجاتے اور میاں جی فرما رہے ہوتے کہ جب بندہ اہتمام کے ساتھ اپنے خالق و مالک کی بارگاہ میں پیش ہوتا ہے اور اپنے دُکھوں کا بوجھ خالق کے دربار میں عرض کی صورت میں رکھتا ہے تب خالق اپنے بندے کی عاجزی اور انکساری کو بہت پسند کرتا ہے اور بندے کے دکھوں کا مداوا کرتا ہے۔رب پاک اور بندے کا تعلق اسی طرح ہے جس طرح ایک بے حس و حرکت تصویر کو بنانا والا جیسے مرضی رنگ بھر دے اور اِن رنگوں کی بدولت وہ تصویر ایک خوبصورت نظر آنے لگے۔اب مصور اور تصویر کا جو تعلق ہوتا ہے وہ خالق اور مخلوق والا ہے۔انسان کی پیدائش سے موت تک کے تمام تر حالات و واقعات اِس بات کے شاہد ہیں کہ انسان کی حیثیت کیا ہے۔محبت کے ساتھ نفرت بھی انسان کی جبلت میں ہے۔ چاہے جانے کا جذبہ انسان سے نیکیاں بھی کرواتا ہے اور انسان کو بدی کی طرف بھی لے جاتا ہے۔ بندے کی ساری تگ و دو ایک ایسے ٹائم فریم کے اندر ہے جس کے متعلق کچھ بھی حتمی نہیں۔اگر ایک جہاز لاہور سے پرواز کرتا ہے اُسے ساوتھ افریقہ جانا ہے۔اب راستے میں تو کچھ بھی ہوسکتا ہے۔کوئی بھی انہونی ہوسکتی ہے۔ یہ ہی انہونی یا کا جو فیکٹر ہے یہ ہی خالق

کے وجود کی گواہی دیتا ہے اور خالق کے ہونے کی دلالت کرتا ہے۔ سفر منزل کی جانب جب شروع ہو اور سفر کرنے والے کو منزل تک پہنچنے کی بے یقینی ہو تو درحقیقت یہ بے یقینی رب پاک پر حق الیقین ہے خالق کے معبود ہونے کی پہچان ہر اُس عمل سے ہوتی ہے جو بندے کے ارادوں کے مخالف ہو۔ ذرا تصور فرمایئے اگر انسان دوسرے سے عاجزی اور انکساری سے ملتا ہے اور اُس کے سامنے اپنا دکھ بیان کرتا ہے تو جس کے سامنے یہ سب کچھ کیا جاتا ہے وہ بھی اپنے دل میں نرمی پیدا کر لیتا ہے۔ یہ حال تو ایک دنیا دار شخص ہے لیکن خالق کے سامنے جب عجز و انکساری ہو اور خالق اپنے بندئے سے بے پناہ محبت کرتا ہے وہ اپنے بندئے کو خالی نہیں لوٹاتا۔ عبد کا اختیار اُسکی عبدیت پر منحصر ہے جیسے جیسے وہ اپنے رب کے رستے پر چلتا ہے ویسے ویسے وہ ایک مقبول عبد کی حیثیت حاصل کر لیتا ہے۔ ہو۔ انبیاء اکرام تو گناہوں سے پاک ہیں وہ بشری لبادے میں رب پاک کے خاص عبد ہیں۔ اُن پر اُس طرح کے قوانین فطرت کا اطلاق نہیں جس طرح ہم پر ہے۔

خالصتاً اپنے خالق کی رضا کو اپنا لینا بندے کو رب کا دوست بنا دیتا ہے۔ خالق اُس بندے پر اپنی خاص رحمتوں کا نزول کرتا ہے۔ حتی کے خالق اپنے بندے کے ناز بھی اُٹھاتا ہے۔ بندہِ مومن کی آنکھ خالق کی آنکھ قرار پاتی ہے۔ بندہ مومن کی خواہش کی تکمیل خالق فرما دیتا ہے۔ انسانی رویے کے حوالے سے اگر ناقدانہ جائزہ لیا جائے تو یہاں معاشیات کا ایک مفروضہ جسے لائف سائیکل ہائی پوتھیسز کا نام دیا گیا ہے جس کے مطابق بچہ جب پیدا ہوتا ہے اور اُس کی حالت اِیسی نہیں ہوتی کہ وہ کچھ کماء سکے لیکن اُس کی ذات پر اخراجات کافی آتے ہیں۔ اُس کی خوراک اُس کے

لیے میڈیکل کی سہولیات، کپڑے وغیرہ سب سے بڑھ کر یہ کہ اُسے نگہداشت کے لیے کُل وقتی ایک عدد سہارے کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ سب کچھ اُس کے لیے ہو رہا ہوتا ہے اب آیئے اِس نقطے پہ غور کرتے ہیں کہ ایک انسان کے بچے کی نگہداشت کا معاملہ خالق نے ایسے ہی نہیں چھوڑ دیا بلکہ خالق تو جانوروں پرندوں سب کی پرورش پر قادر ہے اور وہ ایسا کرتا ہے۔ اِسی لائف سائیکل مفروضے میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ بچہ جب بڑا ہو جاتا ہے تو اُس وقت وہ اِس قابل ہو جاتا ہے کہ وہ کمائی کرئے اور اُس کی اپنی ذات پر اتنا خرچ نہیں ہوتا جتنا وہ کما رہا ہوتا ہے۔ اب اگر ہم خالق کے نظام کو دیکھیں کہ کس طرح ہر ذی روح کو اُس نے ایک دوسرئے کے ساتھ جوڑ رکھا ہے۔ اور کائنات کا نظام جاری و ساری ہے۔ میاں جیؒ فرما رہے ہوتے اور سُننے والے سُن رہے ہوتے۔ کوئی بھی تو میاں جیؒ کی محفل میں اکتاہٹ کا شکار نہ ہوتا تھا ہو بھی کیسے سکتا تھا کہ ایک اللہ کا دوست محبت سے ہر کسی کے دکھ سُن کر اُن کو دعا دئے رہا ہوتا۔ حوصلہ دئے رہا ہوتا۔ میاں جیؒ کا وصال 2015 جنوری میں ہوا اور سرگودہا میں آسودہ خاک ہیں۔

معاشرے میں منافقت کی بہتات

مصلحت اور منافقت میں جو فرق ہوتا ہے اُس حوالے سے ہمارے معاشرے میں کوئی فرق روا نہیں رکھا جاتا۔ جب یہ حقیقت اظہر من الشّمس ہے کہ اِس دنیا کی زندگی عارضی ہے اور اِس عارضی زندگی میں وقوع پزیر ہونے والے افعال کی بابت حقیقی زندگی میں جوابدہی ہونا ہے۔ اور آخرت کے امتحان کا پرچہ بھی اِسی بود و باش کے متعلق ہوگا جو انسان نے دُنیا میں اختیار کیے رکھی۔ منافقت ایک رویئے کا نام ہے اور اس رویہ کو بنی نوع انسان کے ہر دور میں انتہائی نفرت انگیز سمجھا گیا اور اب بھی سمجھا جا رہا ہے۔ وہ لوگ بھی منافقت سے نفرت کرتے ہیں جو کہ خود نفاق یا منافقت میں مبتلا ہوتے ہیں، منافقت معاشرے کے لئے زہر قاتل ہے، کوئی انسان اچھا ہو تو اس کو اچھا کہا جاتا ہے کوئی برا ہو تو اسے برا، لیکن دنیا میں ایسے انسانوں کی کمی نہیں جن کے رویے کا رجحان برائی کی طرف تو ہوتا ہی ہے۔ لیکن وہ اس کا اظہار نہیں کرتے اور بظاہر دوسرا انسان ایسا محسوس کرتا ہے کہ مقابل فرد اچھے رویے کا حامل ہے یا اس میں برائیاں نہیں ہیں لیکن دراصل وہ برائیوں سے لتھڑا ہوتا ہے اور ایسا شخص معاشرے کے لئے زہر کی حیثیت رکھتا ہے یعنی ''بغل میں چھری منہ میں رام رام''۔

ایسا شخص پیٹھ پیچھے وار کرنے میں ذرا دیر نہیں لگاتا۔ علماء کرام نے منافقت کو

مسلمانوں کے ایمان کے لیے سب سے بڑا خطرہ قرار دیا۔ کسی بھی شخص کے دین کے لیے سب سے بڑا خطرہ نفاق ہے۔ بعض اوقات لوگ منافقت کے شکار ہوتے ہیں اور انہیں پتہ ہی نہیں چلتا، بندہ نماز پڑھتا ہے، روزہ رکھتا ہے اور حج پر بھی جاتا ہے لیکن ممکن ہے نفاق میں مبتلا ہو جائے۔ نفاق کی دو قسمیں ہیں، ایک کا تعلق عقیدے سے ہے اور دوسرے کا تعلق عملی منافقت سے ہے۔ اگر کوئی شخص ایمان کا دعویٰ کرے لیکن دل میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو برحق کو نہ مانے، وہ اعتقادی نفاق میں مبتلا ہے۔ یہ گروہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں تھے۔ بظاہر تمام عبادات اور کاموں میں مسلمانوں کے ساتھ تھے، لیکن دل سے اپنے سابقہ مذہب پر تھے۔ آج کے اکثر مسلم حکمران جو خود کو مسلمان سمجھتے ہیں، جھوٹے لوگ ہیں۔ یہ لوگ منافق ہیں جو دین کو اپنے مفادات کے لیے سمجھتے ہیں۔ یہ لوگ اسلام دشمن عناصر کے ساتھ دوستی نبھاتے ہوئے مسلم قوموں کو لادینیت کی جانب دھکیلتے ہیں۔ عملی نفاق کا مطلب ہے بندہ عبادات پر عمل کرتا ہے اور اسلام و شریعت پر عقیدہ بھی رکھتا ہے، لیکن اس کے باوجود نفاق کی نشانیاں اس میں پائی جاتی ہیں۔ حدیث شریف میں ہے جب کسی شخص میں تین صفات پائی جائیں تو وہ منافقوں میں شمار ہوگا۔ جھوٹ اور دروغ گوئی کو منافقین کی نشانی یاد کرتے ہوئے منافق لوگوں کی خصلت یہ ہے کہ کثرت سے جھوٹ بولتے ہیں۔

افسوس کا مقام ہے ہمارے معاشرے میں مختلف طریقوں اور بہانوں سے جھوٹ بولا جاتا ہے۔ بعض لوگ دوسروں کو ہنسانے کے لیے جھوٹ بولتے ہیں۔ فرقوں اور مذاہب کے پیروکار ایک دوسرے کے خلاف دروغ گوئی کا ارتکاب کرتے

ہیں۔حالانکہ جھوٹے لوگوں پر اللہ کی لعنت ہے۔اسلامی تعلیمات نے سختی سے جھوٹ بولنے سے منع کیا ہے اور سچی بات کہنے پر زور دیا ہے۔افسوس کا مقام ہے کہ آج کے مسلم گھرانوں میں بھی جھوٹ بولا جاتا ہے، حتیٰ کہ چھوٹے بچے جھوٹ بولتے ہیں۔وجہ یہ ہے کہ والدین خود جھوٹ بولتے ہیں اور بچے ان ہی سے سیکھتے ہیں۔عہد شکنی یا وعدہ خلافی بھی منافقوں کی دیگر صفات میں شمار ہوتی ہے، منافق کی ایک نشانی وعدہ خلافی وعہد شکنی ہے۔منافق لوگ اپنے وعدوں پر نہیں ٹھہرتے اور یہی بیماری ہمارے معاشروں میں پائی جاتی ہے۔حالانکہ ماضی میں وعدہ خلافی لوگوں کی روایات اور کلچر کے سراسر خلاف سمجھی جاتی تھی۔اسلام نے وعدہ پورا کرنے پر بہت زور دیا ہے، حدیث شریف کا مفہوم ہے کہ ''جو وعدہ خلافی کرتا ہے اس کا کوئی دین نہیں ہے۔'' امانت میں خیانت منافقوں کی دیگر خاصیت ہے۔دینی احکام پر عمل نہ کرنا دین میں خیانت ہے اور ایسا شخص دین کو نقصان پہنچاتا ہے۔حدیث نبوی ﷺ کا مفہوم ہے کہ جو امانتداری نہیں کرتا اس کا کوئی ایمان نہیں ہے۔جتنا نقصان نفاق نے امت مسلمہ کو پہنچایا اتنا واضح دشمنوں نے بھی نہیں پہنچایا، مدینہ منورہ میں جب رسول اللہ ﷺ ہجرت کر کے آئے تو مکہ مکرمہ کی نسبت مدینہ منورہ میں مسلمانوں کی طاقت میں آئے روز اضافہ ہوتا گیا ایسی صورتحال میں منافقوں کی ایک جماعت مسلمانوں کے خلاف سازشوں میں مصروف رہی جن کا سرغنہ عبداللہ بن ابئ تھا اس نے رسول ﷺ کو نقصان پہنچانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی۔منافقین کے گروہ نے اپنی ایک مسجد بھی بنا رکھی تھی جس کو مسجد ضرار کہا جاتا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے اس مسجد کو گرانے کا حکم دیا۔

نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے منافقین کے بارے میں وحی کے ذریعے بتایا اس لئے آپ ان منافقین سے بچ کے رہتے۔ یہ منافقین آپ ﷺ اور مسلمانوں کے خلاف ہر قسم کا زہریلا پروپیگنڈہ کرتے رہتے۔ جنگ بدر، جنگ احد میں منافقین جہاد میں جانے کی بجائے مسلمانوں کے خلاف سازشوں میں مصروف رہے اور لوگوں میں یہ پروپیگنڈہ کرتے رہے کہ صحابہ کرام تو تھوڑے ہیں اور کفار مکہ ان کو شکست دیدیں گے اس لئے جنگ میں شامل ہو کر اپنے تعلقات خراب نہ کرو ان منافقین کی دلی خواہش تھی کہ مسلمانوں کو شکست ہو لیکن اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو فاتح بناتا رہا حتیٰ کہ جنگ خیبر میں مسلمانوں نے یہودیوں کو ان کی بار بار کی عہد شکنی کے بعد شکست سے دوچار کیا۔ اس طرح یہودی جو شروع دن سے مسلمانوں کے دشمن اور منافقت عروج پر دل میں رکھتے تھے انہیں شکست ہوئی۔ یہودی فتح خیبر کے اپنے کرتوتوں کے باعث علاقہ بدر ہوئے مگر دلوں میں مسلمانوں کے خلاف منافقت لیتے ہوئے گئے اور اس کے بعد انہوں نے مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیا، یہودی چونکہ کمزور ہو چکے تھے اس لئے وہ سازشوں کے ذریعے مسلمانوں کو باہم لڑاتے رہے۔ منافقت ایسے طرز عمل کو کہتے ہیں جو قول و فعل کے تضاد سے عبارت ہو جس میں انسان کا ظاہر، باطن سے مختلف بلکہ برعکس ہو۔ سورۃ البقرہ کی آیات 8 تا 20 میں مسلسل منافقین کی علامات بیان کی گئی ہیں۔ یہ علامات منافقین پر قرآن حکیم کا واضح چارٹر ہے جو اس لیے دیا گیا ہے کہ ہر شخص اپنے احوال اور معاملات کا جائزہ لے سکے اور ان کی روشنی میں اپنی اصلاح کی کوشش کر سکے۔ منافقت کی علامات درج ذیل ہیں: دعویٰ ایمان صرف زبانی حد تک کرنا اور باطن کا اس کی تصدیق سے خالی

ہونا۔محض توحید وآخرت پر ایمان کو کافی سمجھنا اور رسالت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان کو اس قدر ضروری نہ سمجھنا۔دھوکہ دہی اور مکروفریب کی نفسیات کا پایا جانا۔یہ سمجھنا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہماری حالتِ نفاق سے بے خبر ہیں۔یہ سمجھنا کہ ہم اپنی مکاریوں،حیلہ سازیوں اور چالاکیوں سے دوسروں کو فریب دینے میں کامیاب ہو رہے ہیں۔قلب و باطن کا بیمار ہونا۔جھوٹ بولنا۔نام نہاد اصلاح کے پردے میں مفسدانہ طرز عمل اپنانے کے باوجود خود کو صالح سمجھنا۔دوسروں کو بیوقوف اور صرف خود کو اہل عقل و دانش سمجھنا۔امت مسلمہ کی اکثریت کو گمراہ تصور کرنا۔اجماع امت یا سوادِ اعظم کی پیروی نہ کرنا۔کردار میں دوغلا پن اور ظاہر و باطن کا تضاد ہونا۔اہل حق کے خلاف خفیہ سازشیں اور تخریبی منصوبے تیار کرنا۔مسلمانوں پر طنز، طعنہ زنی اور حقیر سمجھتے ہوئے ان کا مذاق اڑانا۔باطل کو حق پر ترجیح دینا۔سچائی کی روشن دلیل دیکھتے ہوئے بھی اس کی طرف سے آنکھیں بند کر لینا۔تنگ نظری اور دشمنی میں اس حد تک چلے جانا کہ کان حق بات نہ سن سکیں،زبان حق بات نہ کہہ سکے اور آنکھیں حق نہ دیکھ سکیں۔اسلام کی راہ میں پیش آنے والی مشکلات سے گھبرانا اور ان سے بچاؤ کی تدابیر اختیار کرنا۔اہل حق کی کامیابیوں پر حیران رہ جانا اور ان پر حسد کرنا۔اپنے مفادات کے حصول کے لئے اہل حق کا ساتھ دینا اور خطرات ومصائب میں قربانی سے گریز کرتے ہوئے ان سے علیحدہ ہو جانا۔حق کے معاملے میں نیم دلی اور ہچکچاہٹ کی کیفیت میں مبتلا رہنا۔ہمارے معاشرے میں نفوس پذیری کے حامل افراد جن کا رائے عامہ ہموار کرنے میں اہم کردار ہوتا ہے اُن کی جانب سے اگر منافقت والی روش اختیار کی

جاتی ہے تو ظاہری بات ہے اُس کے اثرات پورے معاشرے کو منتقل ہوتے ہیں۔ لیکن شائد ان کے دلوں پر مہر لگ چکی ہے کہ جو اُن کے فائدے کی بات ہے اُس کو وہ اپنے حق میں استعمال کرتے ہیں۔ اسی منافقت نے تو معاشرے میں عجیب بے چینی پیدا کر رکھی ہے اور مسلمان ہوتے ہوئے بھی ایک دوسرے پر اعتماد ختم ہو گیا ہے محبت خلوص نام کی چیز قصہ پارینہ ہو چکی ہے۔ ان حالات میں کیا ہم اپنے معاشرے کو ایک صحت من معاشرہ کہہ سکتے ہیں۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرنے والوں کی عقیدت اطاعت میں کیوں ڈھل نہیں جاتی۔ وکیل، ڈاکٹر، تاجر، عالم دین معاشرے کے انتہائی اہم افراد کی باتوں میں حقانیت تو نظر آتی ہے لیکن اُن کے افعال اُن کے اقوال کی تصدیق نہیں کرتے جن کی وجہ سے معاشرے میں نفوس پذیری کے حامل افراد کی بات کو وزن حاصل نہیں رہا۔ زبان پہ نکتہ توحید تو آ سکتا ہے۔ تیرے دماغ میں بُت خانہ ہو تو کیا کہیے۔

❁❁❁

معاشرے کے ناسور؟

کیا جو شخص ملازمت کے دوران اپنا کام درست طور پر نہیں کرتا اور عوام سے رشوت لیتا ہے یا دفتر جانے کی بجائے گھر میں سویا رہتا ہے اور اگلے دن دفتر جا کر حاضری لگا دیتا ہے۔ کیا اُسے معاشرے کا ناسور نہیں کہا جائے گا؟ کیا جو شخص اشیاء خوردونوش میں ملاوٹ کرتا ہے کیا وہ معاشرے کا ناسور ہے یا نہیں۔؟ کیا جو ڈاکٹر مریضوں کو اپنے میڈیکل سٹور سے اپنی ہی تیار کردہ ادویات اصل لاگت سے کئی گُنا تک منافع کے ساتھ فروخت کرتا ہے کیا وہ معاشرے کا ناسور نہیں۔ کیا ایسا ڈاکٹر جو ادویات کی کمپنیوں سے بطور رشوت گاڑیاں لیتا ہے بیرون ملک کی سیریں کرتا ہے کیا وہ معاشرئے کا ناسور نہیں؟۔ کیا جو وکیل فیس لے کر بھی اپنے کلائنٹ کے مخالفین کے ساتھ مل جاتا ہے اور حرام کھاتا ہے کیا وہ معاشرے کا ناسور نہیں ہے؟ کیا ناجائز منافع خور معاشرے کے ناسور نہیں ہیں؟ کیا جو اُستاد ٹیوشن کے لالچ میں اپنے شاگردوں کو سرکاری ڈیوٹی میں درست کام نہیں کرواتا کیا وہ معاشرئے کا ناسور نہیں ہے کیا یہ نام نہاد ڈبہ پیر، کالے پیلے جادوگر عوام کو مذہب اور روحانیت کے نام پر لوٹنے والے معاشرے کے ناسور نہیں ہیں۔ کیا وہ حکمران جن کی جائیدادیں بے شمار اور عوام دو وقت کی روٹی کو ترس رہے ہیں ایسے حکمران معاشرے کے ناسور نہیں ہیں۔؟ کسی کی

عظمت بڑی گاڑی میں۔کسی کی عظمت لمبے چوڑے دسترخوان میں۔کوئی حاکم وقت کے تلوے چاٹ کر پھولے نہیں سما رہا ہوتا جیسے کہ اُسے کوئی گوہر نایاب مل گیا ہو۔

کسی کی شان بنک بیلنس میں پنہاں۔کوئی جھوٹی آن شان کے لیے بے غیرتی کی حد تک چلا جاتا ہے اور اپنے عزت کو نیلام ہوتے ہوئے بھی اُسے کچھ نہیں ہوتا بلکہ وہ بڑے مرتبے کے حامل افراد کی پذیرائی میں فخر محسوس کرتا ہے۔کتنی زندگی ہے انسان کے پاس اوسطاً پچاس سال ایک سال میں تین سو پینسٹھ دن۔کُل 18250 اِس میں سے عام طور سکول کالج یونیورسٹی میں بائیس سال گذر جاتے ہیں۔اِس طرح پچاس سالوں میں سے اگر بائیس سال نکال دیئے جائیں تو پھر 18250 میں سے 8030 دن مائنس کرنا پڑیں گے۔باقی 10220 دن بنتے ہیں۔اِس میں سے بیماری، سفر کاروباری ملازمت کی مصروفیات کو دیکھ لیں۔

اتنی تھوڑی زندگی کے لیے۔جھوٹ، عزت کی نیلامی، ایمان کا فروخت کرنا۔کیا یہ سب کچھ انسانیت ہے؟ مقدس ترین مہینے رمضان المبارک میں حکومتی گڈ گورنس صرف میڈیا تک ہی محدود رہتی ہے۔جو پھل پچاس روپے کا تھا اُسی کوالٹی کا پھل ایک سو بیس روپے تک پہنچا ہوا تھا۔جس سبزی کی قیمت تیس روپے تھی وہ سو روپے تک جا پہنچی تھی۔اخبارات ٹی وی چینلز میں حکومتی مشینری تصاویریں بنوا بنوا کر خوش ہو رہی تھی اور حکمرانوں کو نوکر شاہی کے ذریعے یہ پیغام پہنچ رہا تھا کہ سب کچھ بہت اچھا ہے۔ افراط زر کنٹرول ہو چکا ہے۔لوگ چین کی بانسری بجا رہے ہیں۔ہر گھر میں چولہا جل رہا ہے۔لیکن حقیقت حال اِس بیوروکریسی نے حکمرانوں تک پہنچنے ہی نہیں دی۔ہر طرف تجاوزات کی بھرمار قیمتوں کی حالت یہ کہ اُن کو کنٹرول کرنا تو درکنار دکانداروں

کو کوئی پوچھنے والا ہی نہیں ۔مجسٹریٹ حضرات جرمانے کرنے کی خبریں اخبارارت میں لگواتے ہیں اور جن دکانداروں کو جرمانے ہوتے ہیں پولیس اُن کا ساتھ مک مُکا کر لیتی ہے اور اُن کو تھانے میں بند کرنے کی بجائے سیدھا مجسٹریٹ کی عدالت میں پیش کروا کر ضمانت کروا دیتی ہے۔

گویا پولیس مستعدی کے ساتھ منافع خوروں کی پشت پناہی کر رہی ہے۔طلب اور رسد کی بات نہیں ۔ بات خالص نیت کی ہے۔قیمتوں کا تعین طلب و رسد کی بناء پر ہی ہوتا ہے لیکن سرمایہ درانہ نظام کے پجاری یہ سُن لیں کہ اشیائے خورد ونوش کے معاملے میں فری مارکیت اکانومی میں بھی حکومت مداخلت کرتی ہے تا کہ اشیائے خوردنوش سب کی پہنچ میں رہیں۔لیکن ہمارے ملک میں بیوروکریسی نے عوام کا بھرکس نکال دیا ہے۔المیہ تو یہ ہے کہ رمضان جیسے مقدس مہینے میں اشیاء کی قیمتوں میں کمی کرنے کی بجائے اسے بطور کمائی کا سیزن بنا دیا گیا ہے۔ایک دن صوبے کی سب سے بڑی عدالت میں اگر گزارا جائے تو کیا کچھ آشکار ہوتا ہے اور پتہ چل جاتا ہے معاشرے کے اصلی ناسور کہاں کہاں ہیں۔میری اِس تحریر کا مقصد صرف اور صرف عوام کی آگاہی ہے۔اِس ساری تحریر کا مقصد عدالتِ حضور کی کسی طور پر بھی کوئی عزت میں کمی نہیں ہے۔

میری تحریر کا مقصد صرف نظام کی خرابیوں کو نمایاں کرنا ہے۔آیئے عدالت کا وقت ہو چکا ہے۔عدالت کی کاروائی کا آغاز قران مجید کی تلاوت سے کیا گیا ہے ایک عدالتی اہلکار نے قران مجید کی تلاوت کی۔سب سے سے پہلے رٹ لگی ہوئی ہیں عدالتی اہلکار نے آواز لگائی تو رٹ میں پیش ہونے والا سائل شکل وصورت سے انتہائی غریب

دیکھائی دیتا ہے اِس کے پاؤں میں جوتی ٹوٹی ہوئی ہے۔انتہائی میلے کچیلے کپڑوں میں ملبوس یہ شخص برسوں کا بیمار دیکھائی دیتا ہے۔سائل کے وکیل نے عرض کی کہ جناب اِس کی بیوی کو فلاں شخص نے اغوا کر لیا ہے اور پولیس بھی اُس نے اپنے ساتھ ملائی ہوئی ہے۔جناب والا اِس شخص کی بیوی کو برآمد کروایا جائے۔جج صاحب نے آرڈر کیا کہ متعلقہ تھانے کے ایس ایچ او کو کہ وہ اِس کی بیوی کو برآمد کروا کر عدالت میں پیش کرے اور ایک ہفتے کی تاریخ مقرر فرما دی۔سائل ایک ہفتے کے انتظار میں سولی پر لٹکنے کے لیے تیار تھا۔اِسی طرح ایک اور کیس کے لیے آواز دی تو سائلہ نے رٹ دائر کی تھی کہ جناب میرے شوہر نے بچے چھین لیے ہیں مجھے وہ بچے بازیاب کروا کر دیئے جائیں اِس رٹ میں بھی جج صاحب نے متعلقہ تھانے کے ایس ایچ او کو آرڈر کیا کہ بچے بازیاب کر کے عدالت میں پیش کیے جائیں۔سائلہ جس نے یہ رٹ دائر کی تھی وہ کسی کے گھر کام کرتی تھی اور غربت اُس کے چہرے پر منحوس سائے کی طرح موجود تھی عدالت نے دو ہفتے کی تاریخ مقرر فرما دی۔بعد ازاں ایک اور کیس میں جو سائل پیش ہوا وہ کوئی مزدور تھا جس نے کہا کہ اُس کے مالک نے اُس کو اغوا کروا دیا تھا اور چھ ماہ کی تنخواہ بھی نہیں دی۔

عدالتِ حضور نے متعلقہ ایس ایچ او کو حکم دیا کہ وہ تفتیش کرے اور مقدمہ درج کر کے تفتیش سے آگاہ کرے اِس کیس کی بھی تین ہفتے کی تاریخ پڑ گئی اِس کیس میں سائل دیکھنے میں عام سا دیہاتی دیکھائی دیتا تھا اور ایسا محسوس ہوتا تھا کہ اُس نے کئی روز سے کچھ کھایا پیا بھی نہیں اور کپڑے اُس کے ایسے تھے جیسے کسی مزار کی چادر سے بنائے گئے ہوں۔اِسی طرح قتل کے کیس میں ضمانت کے لیے درخواست لگی تو ایک

انتہائی بزرگ سفید داڑھی کے ساتھ غربت وعُسرت کی تصویر بنے عدالت میں موجود تھا۔ اِس کا بیٹا جو کہ مزدوری کرتا تھا وہ کسی قتل کے کیس میں جیل میں تھا۔ عدالت نے متعلقہ ایس ایچ او کو ریکارڈ سمیت طلب کرلیا اور تیں ہفتے بعد کی تاریخ مقرر فرمادی۔ متذکرہ بالا عدالتی کاروائی کا حال اِس بات کی غمازی کرتا ہے کہ (1) مقدمہ بازی میں سب سے زیادہ لوگ جو پڑے ہوئے ہیں وہ انتہائی غریب ہیں (2) دوسری بہت بڑی وجہ جو دیکھنے میں آتی ہے وہ ہے تعلیمی پسماندگی (3) دین پر ایمان صرف زبانی کلامی، عمل نام کی کوئی شے نہیں (4) نتیجاً تاً معاشرے کا سماجی معاشی عمرانی نفسیاتی رویہ انتہائی ہوس زدہ۔ مجھے کریمنل کورٹ میں امیر تو دور کی بات اوسط درجے کے سائل بھی نظر نہیں آئے۔ معاشرے میں تعلیم کی کمی بہت بڑا ظلم ہے اِس لیے ملک کے دانشور طبقے کو چاہیے کہ وہ حکمرانوں کو باور کروائیں کہ تعلیم عام کرنے سے معاشرہ بہت بہتر ہوسکتا ہے ورنہ آبادی کے پھیلاؤ سے غربت میں بہت تیزی سے مزید اضافہ ہوتا چلا جارہا ہے اور امن امان کی صورتحال کا بہتر نہ ہونا۔ چوری ڈاکے لوٹ مار، اِن سب کے پیچھے ایک محرک بہت اہم جو ہے وہ تو تعلیم کا نہ ہونا ہے۔ اور محرکات بھی ہوسکتے ہیں اور ہیں لیکن تعلیم بہت ضروری ہے۔

ملک کا بہت بڑا پرابلم یہ ہے کہ ہمارے ہماشرے میں گھر سے بھاگ کر شادی کرنے کے رجحان نے بنیادی یونٹ گھر کو تباہ کردیا ہے۔ معاشرے کے ناسوروں نے گھر جیسے امن وسکون کے دولت کدے کو جہنم بنادیا ہے۔ حلال امور کی ادئیگی میں سے صرف ایک واحد کام جو کہ طلاق ہے کو اللہ پاک نے ناپسند فرمایا ہے۔ معاشرے کا بنیادی یونٹ گھر ہے۔ جب گھر کو بسانے والے دونوں فریق خاوند اور بیوی کے

درمیان سماجی کنٹریکٹ ہی نہ رہے تو پھر گھر کے سکون کی بربادی میں کوئی کسر نہیں رہ جاتی۔سوشل میڈیا نے جہاں عوام کو بہت سے امور میں آگاہی دی ہے وہاں اِس کے منفی اثرات نے بھی معاشرئے کو اپنے لپیٹ میں لے لیا ہے۔انتہائی دکھ کا مقام ہے کہ موبائل فون اور انٹرنیٹ کے استعمال کی بدولت معاشرئے میں شرم وحیا کو آگ لگ گئی ہے۔گھر سے بھاگ کر شادی کرنے کے رجحان نے معاشرئے کو اِس بُری طرح لپیٹ میں لے لیا ہے ایسا دیکھائی دیتا ہے کہ پاکستانی معاشرہ مذہب کے بغیر ہے اور روحانی اقدار نام کی کوئی شے یہاں نہیں ہے۔فیس بک کی چیٹینگ سے شادیوں تک پہنچنے والے مراحل کے بعد جب نام نہاد محبت کی فینٹسی کا بخار رفو چکر ہوتا ہے اور زندگی کی حقیقتوں کی آشکاری ہوتی ہے تو پھر آٹے دال کو بھاؤ پتہ چلتا ہے کہ والدین کے گھر شہزادی بن کر رہنے والی نے اپنی مرضی سے گھر سے بھاگ کر جو معاشرے میں نیک نامی کمائی ہے اُس میں غلطی پر کون ہے۔یوں پھر خلع کی نوبت آجاتی ہے۔اگر لاہور میں فیملی عدالتوں میں صرف طلاق والے کیسوں کو دیکھا جائے تو یہ حقیقت عیاں ہوجاتی ہے کہ معاشرہ کس جانب جاچکا ہے۔اِسی طلاق اور خلع کی وجہ سے پھر نان و نفقہ اور اگر بچے پیدا ہوچکے ہوں تو اُن کی حوالگی کے حوالے کے مسائل سر اُٹھاتے ہیں۔گھر سے بھاگ کر شادی کرنے والوں کی بڑی تعداد غلط لوگوں کے ہتھے چڑھ جاتی ہے جو اُنھیں جسم فروشی کے لیے استعمال کرتے ہیں حالیہ مہینوں میں پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا میں یہ رپورٹ ہوچکا ہے شادی کے جال میں پھنسا کر مشرقِ وسطیٰ میں جسم فروشی کے لیے لڑکیوں کو سمگل کر دیا جاتا ہے۔حوا کی بیٹی کے ساتھ جو سلوک اسلامی جمہوریہ پاکستان میں ہورہا ہے۔اِس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ہمارے

رہنماء ہمارے حکمران فکری طور پر مکمل کھوکھلے ہو چکے ہیں اُن کو اِس کا بالکل ادراک نہیں کہ پاکستانی معاشرہ کس طرف پرواز کر چکا ہے۔طلاقوں کی شرح میں اضافے سے موجود مشترکہ خاندانی نظام اور روپے پیسے کی ہوس نے رشتوں کو بھلا دیا ہے اور بس اپنی جان کے لیے ہر کوئی فکر میں مصروف ہے۔یوں مشترکہ خاندانی نظام بُری طور ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہے۔گارڈین کورٹ کے معاملات کے حوالے سے بھی بہت سے مسائل اتنی پیچیدگیوں کے حامل ہیں کہ بچے بُری طرح متاثر ہو رہے ہیں۔

ماتحت عدلیہ میں میاں بیوی کے درمیان علیحدگی کی وجہ سے بچوں کی حوالگی اور اُن کی اپنے والد یا والدہ سے ملاقات کے حوالے سے احسن طور پر امور انجام نہیں دیئے جا رہے ہیں۔ایک مہینے کے بعد دو گھنٹے کی ملاقات وہ بھی ایک ڈربہ نما کمرے میں جہاں سینکڑوں اور لوگ بھی اپنے بچوں سے ملنے کے لیے بیٹھے ہوتے ہیں۔اگر حکمران اپنی آنکھوں سے جا کر ماتحت عدلیہ کے زیر انتظام عدالتوں میں چھوٹے چھوٹے بچوں کا حشر دیکھ لیں تو اُن کو اندازہ ہو جائے گا کہ اِس طرح تو کبوتر بھی کسی ڈربہ نما کمرے میں نہیں رکھے جا سکتے جس طرح کہ گارڈین کورٹس کی حالت زار ہے کہ بچے اپنے والدین سے ملاقات کے لیے ذلیل وخوار ہو رہے ہوتے ہیں اور یہی حال اُن کے والدین کا بھی ہوتا ہے۔والدین کی ناچاقیوں کی سزا معصوم بچوں کو تو بھگتنا پڑتی ہی ہے اِس کے ساتھ ساتھ بچوں کے ماں باپ بھی گارڈین کورٹ کے چکر لگا لگا کر اور بچوں کے لیے نان ونفقہ کے حصول کے لیے جس طرح عدالتوں میں انتہائی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے یقینی طور ماں اور باپ اور اِسی طرح بچوں کے لیے بھی ایک مشکل صورتحال بن جاتی ہے۔دوسری طرف اگر ان بچوں کی تعلیمی استعداد اور اُن

کی ذہنی کیفیات کا اندازہ لگایا جایا تو یہ امر بالکل واضع ہے کہ بچے ذہنی طور پر کافی مسائل کا شکار ہوجاتے ہیں۔بن ماں یا باپ کے بغیر بچے کی شخصیت پر اثر انداز ہونے والے مضر اثرات کا ادراک وہی کرسکتا ہے جو اِس چکی میں پس رہا ہو۔ماں یا باپ کے فوت ہوجانے کی صورت میں بچوں کو یہ صبر کو آ ہی جاتا ہے کہ اُن کی ماں یا اُن کا باپ اب اِس دُنیا میں نہیں ہے۔لیکن جب بچے اپنے ہم جماعتوں کو اپنے والدین کے ساتھ دیکھتے ہیں اور والدین کی مشترکہ تربیت اور محبت سے استفادہ ہو رہے ہوتے ہیں تو یہ معاملہ اُن بچوں کے لیے سوہانِ روح بن جاتا ہے۔ماں یا باپ کی علیحدگی کی وجہ سے منتشر خیالات کے حامل بچے معاشرئے کے لیے اُس طرح ذہنی طور پر بہتر شہری ثابت نہیں ہو پاتے جس طرح والدین کی آغوش میں پلنے والے بچوں کی پرورش ہورہی ہوتی ہے۔ حالیہ ایک دہائی سے پاکستانی سوسائٹی کے بودوباش میں عجیب وغریب تبدیلی آئی ہے۔اِس تبدیلی کو اگر تباہی سے تعبیر کیا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ٹی وی چینلز کی بھرمار، موبائل فون اور انٹرنیٹ کا بے تحاشہ استعمال معاشرے کو ایسے دوراہے پہ لے آیا ہے کہ خاندانی نظام کی دھجیاں بکھرتی جارہی ہیں۔دادا دادی جو کسی بھی گھر کے لیے نعمت و رحمت تصور ہوتے تھے اور اسلامی و مشرقی معاشروں کی پہچان تھے اُن کے حوالے جو صورتحال بنی ہے وہ یہ کہ اُن کا احترام ختم ہوکر رہ گیا ہے۔دوسرا والدین کا احترام والا نظریہ بھی بہت حد تک مفقود ہوتا جارہا ہے۔تیسرا موبائل کی وجہ سے سارا جہاں ایک بٹن کے دبانے پر آشکار ہونے کے لیے ہر وقت تیار ہوتا ہے اِس لیے زندگی میں ہوس پرستی نے اتنی جگہ بنالی ہے کہ اب خلوص اور وفا صرف شاعری کی کتابوں میں ملتے ہیں۔معاشرے میں تعمیر و تربیت

کے لیے سب سے اہم خیال کیا جانے والا شخص اُستاد اِس وقت اُس مقام کو کھو چکا ہے جو اِس معلمی پیشے کا خاصہ تھا۔اب اُستاد بھی پیسہ کمانے والی مشین بن چکا ہے کیونکہ معاشرتی اخلاقی زوال پذیری اِس نہج تک پہنچ چکی ہے کہ اُستاد کا درجہ ایک ملازم کی طرح کا ہو چکا ہے اِس کی وجہ معاشرے میں دولت کی عزت ہے اور یوں پرائیوٹ اداروں میں علم کی روشنی کی بجائے ڈگریوں کی لوٹ سیل لگی ہوئی ہے۔طلاقیں کیوں اتنی بڑی تعداد میں ہو رہی ہیں اور جو بچے ماں یا باپ کے بغیر پروان چڑھیں گے اُن کے ساتھ کون کون سی محرومی ہے جو جونک کی طرح نہیں لپٹ جائیگی۔ ہر شاخ پہ اُلو بیٹھا ہے انجام گلستان کیا ہوگا۔معاشرے میں موجود ناسور کب اور کیسے ختم ہوں گے۔

فکرِ حسینیؓ کے پیکر۔۔؟

حسینیتؓ وفا اور یزیدیت جفا کا نام ہے۔حسنیتؓ کی فکر عالمگیر اور تعداد کم۔ یزیدیت کی تعداد بے شمار اور فکر معکوس۔حسینیت کا حق کا پرچم، یزیدیت ظلم وستم کا نشان۔حُسینیتؓ احساس کا نام یزیدیت احسان فراموشی۔حُسینیت کو ماننے والے بے شمار اور عمل کرنے والے قلیل۔ یزیدیت کو ماننے والے کم اور اور عملی طور پر اُس کے ساتھیوں کا کوئی شمار ہی نہیں۔کیا غریب کو بے روزگاری میں دفن کرنا یزیدیت نہیں ہے؟ کیا حقدار کو محروم کرنا یزیدیت نہیں ہے؟ کیا اپنے اقتدار کو دوام بخشنے کے لیے لوگوں کو قتل کرنا یزیدیت نہیں؟۔کیا پاکستان کی غریب عوام کو اُن کی اُس زبان سے محروم رکھنا جس کی بدولت وہ نفوس پذیری کے حامل بن کر عنان حکومت میں حصہ لے سکیں یزیدیت نہیں ہے۔کیا اپنے بچوں کو لندن امریکہ میں تعلیم دلوانا اور عوام کو کارپوریشن کے سکولوں میں جانے کی ترغیب دینا جہاں نہ چار دیواری ہے نہ پینے کا پانی اور نہ ہی پڑھانے کے لیے اُستاد، کیا یہ امر یزیدیت نہیں ہے؟۔کیا حکمرانوں کا اپنے علاج کے لیے لندن امریکہ کی یاترا اور عوام کے لیے قصائی نما ڈاکٹروں کے حوالے کرنا یزیدیت نہیں؟۔

کیا ملک کی چوبیس سو لاکھ عوام کو اقتدار سے باہر رکھنا اور چند ہزار لوگوں کا اِن پر

حکومت کرنا یذیدیت نہیں ہے؟۔کیا عدالتوں میں انصاف خریدینے والے اور انصاف بیچنے والے یزید نہیں ہیں؟۔کیا کتے اور گدھے کا گوشت فروخت کرنے والے یزید نہیں ہیں؟۔کیا رشوت کا مال کھانے والے یزیدیت کی راہ کے مسافر نہیں ہیں۔؟ کیا بوڑھے ماں باپ کی توہین کرنے والے یزید کے پیروکار نہیں ہیں۔کیا ناجائز منافع خور یزید کے ساتھی نہیں ہیں۔کیا کرپشن خود بخود اُگ آئی ہے کرپشن کرنے والے یذید کے بھائی نہیں؟۔ یذید بُرا بہت بُرا۔کافروں سے بھی بُرا۔ میرئے حسینؓ کو شہید کرنے والا۔حسینؓ کے گھرانے کو شہید کرنے والا۔لیکن ذرا دل پر ہاتھ رکھ خود سے دریافت تو کیجیے یذید کو بُرا بھلا کہتے کہتے ہم خود تو اُس کے ہمنوا نہیں بن بیٹھے؟

خالق اور بندے کے تعلق کی بنیاد۔ خیر البشر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کچھ رشتے ایسے ہوتے ہیں جہاں حساب کتاب روا رکھا جانا اُن رشتوں کے تقدس کی پاسداری کے مقام سے ہم آہنگ نہیں ہوتا۔ اِن رشتوں میں ایک رشتہ تو ماں کا ہے اور ایک باپ کا ہے۔ لیکن سب سے اعلیٰ وارفع تعلق تو جو انسان کا ہے وہ ہے اپنے رب کے ساتھ۔ یعنی خالق اور مخلوق کا رشتہ۔ ماں اور باپ بھی انسان کی تخلیق کے مراحل کا ذریعہ بنے ہوتے ہیں اِس لیے ماں کے اندر رب پاک کی اپنی مخلوق سے محبت کے مقابلے میں ستر حصے سے بھی کم تر درجے کی محبت ہوتی ہے۔ یوں انسان کی زندگی میں جو ایک اہم تعلق بنتا ہے وہ اُس کے رب، اُسکی ماں اور اُسکے باپ کا ہے۔ لیکن ایک تعلق جو اعلیٰ ترین ہے جس تعلق کی بناء پر رب شناسی ہوئی جس ہستی کی وجہ سے رحمتوں کا نزول ہوتا ہے اُس ہستی کے بغیر نہ تو ایمان مکمل ہوتا ہے اور نہ ہی انسان کی تخلیق کے مقاصد پورے ہو پاتے ہیں۔ وہ ہستی جناب نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہے۔ رب پاک اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تعلق کی آشنائی کی بدولت ہی ماں اور باپ کی عظمت و توقیر تک رسائی ہوتی ہے۔ یوں یہ سلسلہ آگے چلتا ہے تو انسان کی زندگی میں رہبر ہستی اُسکے اُستاد کی ہوتی ہے۔

حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطابق انسان کے تین باپ ہیں۔ اُسکا باپ، اُسکا سسر اور اُسکا اُستاد، اور اُستاد کی عظمت سب سے زیادہ ہے۔ کیونکہ اُستاد علم سکھاتا ہے

اور علم نور ہے نور سے انسان کو سرفراز فرماتا ہے کہ اُسے شر اور خیر کے فرق سے آگاہی ہوتی ہے۔ اِن رشتوں کے ساتھ ساتھ بہن بھائی، بیٹا بیٹی و دیگر رشتے بھی اہمیت کے حامل ہیں۔ اور ان رشتوں کا اپنا ایک مقام ہے لیکن اِن رشتوں میں محبت کی چاہت بعد ازاں وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ کمزور ہوتی چلی جاتی ہے۔ لیکن ماں باپ خالق اور نبی پاک ﷺ اور اُستاد یہ وہ رشتے ہیں جن کا انسان سے وابستہ رہنا کسی مادی معاملات کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ اِن رشتوں کے تقدس و حرمت کا پاس رکھنا مخلوق کے لیے ایمان کی حد تک ضروری ہے۔ دُنیا میں اپنی راہ کو درست سمت رکھنے کے لیے ایک رہبر و رہنماء کی ضرورت بھی محسوس ہوتی ہے۔ جس کو مُرشد کا نام دیا گیا ہے۔ مرُشد انسان کی باطنی کیفیات کو رب کی رضا سے ہم آہنگ کر کے اس طرح کر دیتا ہے جیسے دھوبی کپڑے کو دھو کر صاف کر دیتا ہے۔ مرشد کا کام من کی صفائی ہوتا ہے۔ انسان جو مختلف مواقعوں پر سیدھی راہ سے ہٹ کر مادیت کی ہوس میں گم ہونے لگتا ہے تو اُس وقت اُس کا مرُشد اُسے عشق حقیقی سے آشنائی کرواتا ہے اور اُس کا اِس دنیا میں آنے کا جو مقصد ہوتا ہے اُس سے اُسے روشناس کرواتا ہے۔ اُس کو انسان اور حیوان میں فرق جو ہوتا ہے اُس فرق سے آگاہی دلواتا ہے۔ دُنیاوی لالچ سے دور مادہ پرستی کی ہوس سے نجات حاصل ہونے کے سبب انسان کو اُس کے اصل مالک اپنے رب کے قرب کا احساس ہونے لگتا ہے ۔ یوں ماں باپ اُستاد، مرشد، نبی پاک ﷺ اور خالق یہ وہ رشتے ہیں جن کے ساتھ انسان کا تعلق لازوال اہمیت اختیار کر جاتا ہے۔ اِن رشتوں کا سبب محبت ہی محبت ہے۔ انسانی زندگی میں دوستی کا رشتہ بھی بہت اہم ہے ہوتا ہے اور تاریخ میں دوستی کے سچے رشتے کی لازوال مثالیں

موجود ہیں۔اللہ پاک نے تو اپنے بندئے کو اپنا نائب بنایا ہے اور اپنے بندے کے ساتھ اُس کی محبت کا یہ عالم کہ ماں کی محبتوں کو ستر گنا سے بھی بڑھا دیا جائے تو رب کی محبت کے سامنے ماں کی محبت ہیچ ہے۔خالق خود لافانی ہے اور اُس سے منسلک تعلق بھی لافانی ہے۔یقینی طور خالق اور بندے کا تعلق سراپاء محبت ہے۔ بندگی کا حق ادا کر کے بندہ ایسے مدارج طے کر لیتا ہے کہ خالق کے ہاں اُس کی پذیرائی کا عالم کچھ اِس طرح سے ہوجاتا ہے کہ خالق پھر اپنے بندے کی آنکھ بن جاتا ہے جس سے وہ بندہ دیکھتا ہے خالق اپنے بندے کی طرف دوڑ کر آتا ہے۔خالق اپنے بندے سے پھر اُس کی رضا پوچھتا ہے۔تمام تر دُنیاوی و اُخروی رشتوں میں اعلیٰ و ارفع تعلق بندے اور رب کا ہے اور اِس تعلق میں ایک اہم شخصیت بھی ہیں وہ نبی پاک ﷺ کی ہے۔مومن بھی نبی پاک ﷺ کا محب ہے اور اللہ پاک بھی نبی پاک ﷺ کا محب ہونے کا دعوئے دار ہے۔اُس ہستی ﷺ کی بزرگی کا کیا عالم ہوگا کہ رب پاک نے کائنات کے ایک ایک ذرے کو پیدا ہی صرف اِس لیے کیا کہ نبی پاک ﷺ کے ظہور کے طفیل۔رب پاک تک پہنچے کے لیے کسی راکٹ سائنس کی کوئی ضرورت نہیں۔رب تو ہر ہر بندے کے دل میں آباد ہے اُس کی شہ رگ سے زیادہ قریب ہے۔بندے کو اپنی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب کرنے کی آشنائی دینے والا رب اپنی ہر ہر تخلیق کو نبی پاک ﷺ کا وسیلہ گردانتا ہے۔اللہ پاک کو ماننے والے ہر مذہب کے لوگ اِس دنیا میں موجود ہیں۔رب کی توحید کا پرچار کرنیوالے تو عیسائی، یہودی بلکہ ہندو بھی ہیں۔سکھوں کے ہاں توحید کا جو تصور ہے وہ بھی کمال ہے۔لیکن اِس کے باوجود اگر اِن مذاہب کے ماننے والوں کو اللہ پاک مومن نہیں مانتا

تو کیا کمی ہے کیا وہ توحید پرست نہیں ہیں۔فرق تو صرف اُس ہستی ﷺ پہ ایمان لانے کا ہے جس کی وجہ سے خالق نے اپنا آپ ظاہر کیا۔فرق تو صرف اُس عظیم شخصیت نبی ﷺ کا ہے جن کو تخلیق آدمؑ سے بھی پہلے نبوت پہ سرفراز فرمایا۔فرق تو صرف اُس عظیم رہنماء نبی پاک ﷺ کی وجہ سے ہی ہے کہ جن کو صاحب قران کا افتخار بخشا گیا۔جس قران کو ہاتھ میں پکڑ کر رب کی وحدانیت کا اعلان کیا جاتا ہے جس قران کو ضابطہ حیات مانا جاتا ہے اُس کے ایک ایک حرف کی گواہی دینے والی ذات صرف ایک ہے وہ ہے نبی پاک ﷺ کی۔اللہ پاک نے جو کچھ جبرائیل امینؑ کے ذریعے سے بھیجا اور جس کو نبی پاک ﷺ نے فرمادیا کہ میرے صحابہ اکرامؓ یہ جو بات میں کہہ رہا ہوں یہ قران ہے تو اُسے قران قرار دے دیا گیا اور جس بات کو نبی پاک ﷺ نے فرمادیا کہ میرے صحابہ اکرامؓ یہ بات جو ہے یہ حدیث ہے۔خالق نے اپنی عطاؤں کی بارش اپنے بندوں پر کرنے کے لیے اپنا ہی محبوب دوست چُنا۔اپنے ہی محبوب ترین بندے کو ہی تمام جہانوں کے لیے رحمت بنایا۔اِس لیے نبی پاک ﷺ کی محبت کے بغیر نہ تو ایمان کی سلامتی ہے اور نہ انسان ہونے کا بھرم رکھا جاسکتا ہے۔خالق کی عطا سے نبی پاک ﷺ کو سب کچھ ملا اور نبی پاک ﷺ نے اُس عطاء کو اپنی اُمت میں اپنے خالق کے حکم سے تقسیم فرمادیا۔

❁❁❁

خود آ گاہی

نفسِ باطنی کو خالق کی عطا کے مطابق ڈھال لینا اور زیست کے ایک ایک لمحے کو خالق کے حکم پر قربان کر دینا یہ بندے کی وہ حالت ہے۔ جو اُسے ہر دُنیاوی شے سے بیگانہ کر دیتی ہے۔ اُسے اپنے خالق پر یقین محکم ہوتا ہے۔ اُسکی زندگی میں درپیش کسی طرح کے طوفان بھی اُسے حق کی راہ سے نہیں ہٹا پاتے۔ گویا بندے کا اپنی حقیقت سے آ گاہ ہوجانا اپنے خالق سے آ گاہ ہونے کا سبب بنتا ہے۔ انسان جب یہ سمجھ لیتا ہے۔ کہ اُس کا رب ہی اُس کا صرف رب ہے تو اُس کی زندگی میں کوئی کسک نہیں رہ جاتی۔ وہ خود کو اپنے خالق کی رضا کے تابع بنا لیتا ہے۔ اُسکی نگاہیں اپنی ایک ایک ضرورت کے لئے صرف خالق کی طرف اُٹھتی ہیں۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ بندے کا اول اور آخر مالک صرف اُس کا خدا ہی ہے اپنے آپ کو زندگی کے سفر میں سیدھی راہ کا راہی بنا لینا اور قدرت کی خاطر خود کو خبردار رکھنا۔ انسان کی فطرت میں گناہ کی طرف مِائل ہونا عام سی بات ہے۔ لیکن جب بندہِ مومن کو خود آ گاہی ہوجاتی ہے۔ ہمارے معاشرئے میں جو تقسیم در تقسیم کا عمل جاری ہے اور جس طرح معاشرتی ٹوٹ پھوٹ ہو رہی ہے مذہبی فرقہ ورانہ منافرت نے بھائی چارئے امن دوستی کو شدید نقصان پہنچایا ہے۔ اِسی طرح سیاسی رواداری سے عاری ماحول بھی سوسائٹی کے لیے زہرِ قاتل بنا ہوا ہے۔

جو قوم ایک اللہ پاک کے نام ایک نبی پاک ﷺ اور ایک قران پاک کے نام

پر بھی اکھٹی نہ ہو پائے اِس سے بڑھ کر بد قسمتی اور کیا ہوسکتی ہے۔سرمایہ داروں نام نہاد مذہبی رہنماؤں، سیاسی آقاؤں نے قوم کو جس طرح سے اپنے اپنے دائرے میں یرغمال بنا رکھا ہے وہ نا قابلِ بیان ہے۔ یہ درست ہے کہ پاکستان کی جغرافیائی محلِ وقوع کی وجہ سے بہت اہمیت ہے لیکن اِسی وجہ سے خطے میں بدامنی بھی انتہا کو پہنچ چکی ہے۔معاشرہ ایک ایسی آگ میں دھکیل دیا گیا ہے کہ خدا کی پناہ۔کوئی شخص محفوظ نہیں جان مال کی حُرمت پامال ہو چکی ہے۔انسانی خون اتنا ارزاں ہے کہ ہزاروں کی تعداد میں لوگ شہید ہو چکے ہیں ان میں عام لوگ بھی شامل ہیں اور افوجِ پاکستان کے جانباز بھی۔بدقسمتی کا یہ عالم ہے کہ اِسی ملک میں لیڈری کرنے والے قاتل اور مقتول کے درمیان فرق روا نہیں رکھے ہوئے۔ ہزاروں معصوم افراد کے قاتل دہشت گردوں کو شہید قرار دیا جا رہا ہے قوم کو شدید قسم کی کنفیوزن میں لا کھڑا کیا گیا ہے۔ پاکستانی ریاست جس طرح کے خطرات سے دوچار ہے یہ ایک ایسا المیہ ہے کہ اِس کے لیے ایسی لیڈرشپ درکار ہے جو کہ اقتدار کے ایوانوں کی بجائے عوام سے دلی اُنس رکھتی ہو۔موجودہ حالات میں اقبالؒ کی فکر کو اپنانے کی ضرورت ہے۔اقبالؒ اللہ پاک کے بتائے ہوئے رستے پر چلنے میں ہی مسلمانوں کی فلاح سمجھتے ہیں۔

آپ فرماتے ہیں۔

قلندر رمیلِ تقریر نہ دارد بجز ایں نکتہ اکسیر

نہ دارد ازاں کشتِ خرابے حاصلے نیشت کہ آب از خون شبیر ندارد (ارمغانِ حجاز)

حضرتِ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ قلندر لمبی چوڑی تقریر کی طرف رغبت نہیں رکھتا۔سوائے اُس نکتے کہ جو میں تمھارے لیے کہنے والا ہوں کہ اِس ویران کھیت

سے کوئی پیداوار حاصل نہیں کی جاسکتی کہ جس کی حضرت امام حسینؓ (شبیرؓ) کے خون سے آبیاری نہ کی جائے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ مسلمان جہاد فی سبیل اللہ کے بغیر یا باطل کے مقابلے میں عملاً نکلے بغیر کسی قسم کی عزت اور وقار حاصل نہیں کر سکتے۔ جہاد کے حق میں اور باطل کے خلاف زبانی کلامی باتیں کرنے سے تمہاری اجڑی ہوئی دنیا آباد نہیں ہوسکتی اس کا ایک ہی طریقہ ہے جو کہتے ہو اِس پر عمل کرو۔ مگو از مدعائے زندگانی ترا برشیوہ ہائے اذنگہ نیست من از ذوق سفر آنگونہ مستم کہ منزل پیش من جز سنگ رہ نیست (پیام مشرق) حضرت اقبالؒ فرماتے ہیں زندگی کے مقصد کے بارے زبان مت کھول یعنی بیان کرنے کی کوشش نہ کر اِس کی اداؤں پر تیری نظر نہیں یعنی تو اِس کے انداز کو نہیں سمجھتا۔ میں سفر کی لذت سے اتنا مست ہوں کہ میرے آگے منزل راستے کا پتھر ہے اور کچھ نہیں یعنی میں منزل کو سنگِ راہ سمجھتا ہوں۔ میں منزل پر پہنچ کر بھی منزل کو منزل نہیں سمجھتا اور ایک نئی منزل کے لیے رواں دواں ہوجاتا ہوں۔ زندگی سکون وثبات کا نام نہیں حرکت وعمل کا نام ہے۔ فرشتہ گرچہ بروں از طلسم افلاک است، نگاہِ او بتماشائے ایں کف خاک است (زبورِ عجم) حضرت اقبالؒ فرماتے ہیں فرشتہ اگرچہ انسانوں کی طرح آسمان کے جادو یعنی قوانینِ فطرت سے آزاد ہے۔ اس کے باوجود اس کی نظر مٹھی بھر خاک کے پتلے (انسان) پر ہے یعنی وہ انسان کی رفعت کی طرف دیکھتا ہے جو اُسے عشق کے سوز وگداز کی بدولت حاصل ہے۔ ہوس ہنوز تماشا گر جہانداری است وگرچہ فتنہ پس پردہ ہائے زنگاری است (زبورِ عجم) حضرتِ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ ہوس ابھی تک اسی فکر میں ہے کہ کس طرح دنیاوی مال ودولت اکھٹی کی جاسکتی ہے۔ نیلے رنگ کے پردوں (آسمان) کے پیچھے اور کونسا فتنہ پوشیدہ

ہے؟ دنیا میں جتنے بھی فتنے فساد پیدا ہوئے اُن کا سبب ہوس ہی ہے۔ زماں زماں شکند آنچہ می تراشد عقل، بیا کہ عشق مسلمان و عقل زناری است (زبورعجم) حضرتِ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ عقل جو کچھ تراشتی ہے اُسے لمحہ بہ لمحہ توڑتی رہتی ہے کیونکہ وہ درست نتیجہ اخذ نہیں کرسکتی۔ اب عقل کی باتیں چھوڑ کر عشق اختیار کرلے کیونکہ عشق مسلمان ہے صحیح راستے پر ہے اور عقل برہمن کا زنار ہے یہ کفر کی راہ چلتی ہے عشق معرفتِ حق کی طرف لے جاتا ہے۔ مگو از مدعائے زندگانی، رابرشیوہ ہائے اذنگہ نیست من از ذوق سفر آنگونہ مستم کہ منزل پیش من جز سنگ رہ نیست (پیام مشرق) حضرت اقبالؒ فرماتے ہیں زندگی کے مقصد کے بارے زبان مت کھول یعنی بیان کرنے کی کوشش نہ کر اس کی اداؤں پر تیری نظر نہیں یعنی تو اِس کے انداز کو نہیں سمجھتا۔ میں سفر کی لذت سے اتنا مست ہوں کہ میرے آگے منزل راستے کا پتھر ہے اور کچھ نہیں یعنی میں منزل کو سنگِ راہ سمجھتا ہوں۔ میں منزل پر پہنچ کر بھی منزل کو منزل نہیں سمجھتا اور ایک نئی منزل کے لیے رواں دواں ہوجاتا ہوں۔ زندگی سکون وثبات کا نام نہیں حرکت وعمل کا نام ہے۔ جناب اقبالؒ کی سوچ کا وہ یہ ادراک تھا کہ مسلمانوں کی زبوں حالی کیسے ختم کی جاسکتی ہے۔ اِس مقصد کے لیے انھوں نے مردِ مومن کو یہ سبق دیا ہے کہ جس کو تو منزل سمجھ رہا ہے یہ تو پڑاؤ ہے منزل نہیں ہے یہ حیات سکوت کا نام نہیں، یہ زندگی تو حرکت کا نام ہے اِسی لیے علامہؒ اپنے مقصد سے اتنی لگن رکھتے ہیں کہ وہ ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہے کا پیغام دیتے ہیں۔ اقبالؒ کے ہاں مایوسی کا دور دور سے بھی کوئی واسطہ نہیں اقبال بندہِ مومن کو عقلی تقاضوں سے بہت آگے عشق کے میدان میں لے جاتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ عشق ہی تمھاری منزل ہے۔ حتیٰ کہ

جنابِ اقبالؒ یہاں تک پکار اُٹھے ہیں کہ وہ انسان کو یہ بتلاتے ہیں کہ کیونکہ تیرے اندر عشق کی وجہ سے سوز و گداز ہے اِس لیے فرشتے آسمانوں کے باسی ہونے کے باوجود انسان کی قسمت پر رشک کر رہے ہیں۔ اقبالؒ کے خیالات یہ ہیں کہ وہ عمل پر زور دیتے ہیں وہ گفتار کے غازی کی بجائے کردار کے غازی بننے کی تلقین کرتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ یہ ہدایت بھی فرماتے ہیں کہ اگر تم نے دُنیا میں عزت و احترام سے رہنا ہے تو پھر جنابِ حضرت امام حسینؓ کی طرح جہاد کرو اور ہمیشہ سچ کا ساتھ دو۔ بندہ جب خود کو پہچان لیتا ہے تو پھر اپنے رب کو پہچان لیتا ہے اپنی حقیقت پہچان لیتا ہے۔ مقصدِ زیست کے حوالے سے پھر ابہام کا شکار نہیں ہوتا۔ اُس کی آنکھوں میں اپنے خالق کے علاوہ اور پھر کوئی نہیں جچتا۔ زندگی اور موت کے ہونے یا نہ ہونے کی حدود قیود سے ماورا ہو جاتا ہے۔ خودی تو عرفان خداوندی ہے۔ جفا و فا تو بس کیفیات کے نام ہیں۔ عشق کی راہ سچی راہ ہوتی ہے۔ بندہ خود کو جو پہچان جاتا ہے۔

عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بغیر زندگی فضول

سانسیں اور دھڑکنیں جب خالق نے عطاء ہی خیر البشر نبی پاک ﷺ کے صدقے عطا فرمائی ہیں۔ جب کائنات کی ہر ہر شے ہر ہر ذرے پہ رحمتوں کا نزول نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل ہے۔ جب آقا کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ پاک نے انسان کی تخلیق سے قبل ہی نبوت پر سرفراز فرما دیا۔ جب خالق نے ساری کائنات تخلیق کرنے کی وجہ صرف اور صرف نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قرار دے دیا۔ جب خالق نے اپنے وجود کا اظہار کیے جانے کو بھی نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وجود کی وجہ قرار دے دیا۔ جب تمام کائنات میں افضل ترین ہستی فرشتوں سے بھی بڑھ کر وجہ تخلیقِ کائنات نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قرار دئے دیا گیا ہے۔ جب کائنات کی ہر شے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک قدموں تلے آئی اور آپ سدرۃ المنتہا سے آگے تشریف لے گئے۔ جہاں اللہ پاک کا عظم ترین فرشتہ جبریل امینؑ بھی نہ جا سکتا تھا تو پھر اِدھر اُدھر کی تاویلیں دینا اور اِس طرح کی باتیں کرنا کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا علم اتنا تھا نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اِس بات کا پتہ تھا اِس طرح کی باتیں کرنا ایسے ہی جیسے کسی پی ایچ ڈی اردو کے متعلق کہا جائے کہ وہ اردو گرائمر کا اُستاد ہے لیکن شائد اُسے اب پ ت کا علم نہیں ہے۔ اتنی کینہ پروری اتنا تعصب کہ کلمہ پڑھ کر بھی اِس طرح کا زاویہ نگاہ رکھنا کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اختیار ہے یا نہیں۔ خود تو پندرہویں صدی کا ایک عام انسان وڈیو کالنگ کے ذریعے دنیا کے ایک

کونے میں بیٹھ کر دوسرے کونے کا براہ راست مشاہدہ کرتا ہے۔ لائیو پروگرام ٹی وی پر دیکھتا ہے لیکن نبی پاک ﷺ کے حوالے سے یہ کہنا کہ اُن کو دیوار کے پیچھے کا علم نہیں۔ ایسے انسان کو نہیں حق پہنچتا کہ وہ خود کو نبی پاک ﷺ کا اُمتی کہے اور خود کو مسلمان کہلوائے۔ حمزہ علی عباسی ٹی وی ایکٹر و ماڈل نے حضور نبی پاک ﷺ کی ختم نبوت کے قوانین کے حوالے سے جو ہرزہ سرائی کی تھی اور جس طرح سے ختم نبوت کے قانون کا مذاق اُڑایا تھا۔ اُسکے خلاف صاحبزادہ میاں محمد اشرف عاصمی ایڈووکیٹ نے ایک پٹیشن لاہور سیشن کورٹ میں دائر کی۔ پٹیشن کی سماعت ایڈیشنل سیشن جج جناب حامد حسین صاحب نے کی۔ صاحبزادہ میاں محمد اشرف عاصمی ایڈووکیٹ نے کیس کی سماعت کے دوران اپنے دلائل میں کہا کہ نبی پاک ﷺ کی نبوت کے حوالے سے ابہام پیدا کرنے والے کسی صورت مسلمان نہیں ہیں۔ اور نبی پاک ﷺ کے خاتم النبین ہونے کے حوالے سے پاکستان میں مروجہ قوانین انتہائی عرق ریزی اور تمام مکاتب فکر کی مشاورت سے بنائے گئے ہیں۔ اِس لیے اِن قوانین کا مذاق اُڑانا توہین رسالت کے زمرے میں آتا ہے۔

اِس لیے حمزہ علی عباسی تعزیزات پاکستان کی دفعہ 295-C, 296, 297, 298-C,295-A کے قانون کیخلاف ورزی کا مرتکب ہوا ہے۔ عدالت نے بروز جمعرات 16 جون 2016 کو فیصلہ کرتے ہوئے ڈی سی او لاہور کو حکم دیا کہ تعزیزات پاکستان کی دفعہ 295-C, 296, 297, 298-C,295-A کے قانون کے تحت کاروائی کی جائے۔ پٹیشن میں پاکستان فلاح پارٹی کے رہنماؤں مرکزی صدر قاضی عتیق الرحمن، سنیئر نائب صدر راشد گردیزی، نائب صدر حبیب اللہ

صدیقی ،مرکزی سیکرٹری جنرل امانت زیب ڈپٹی سیکرٹی جنرل،عمران احمد، جوائنٹ سیکرٹری، حافظ کاشف رضا، فنانس سیکرٹی محمد علی شیخ ، احمد وقار مدنی، بدر ظہور چشتی ، رانا ساجد علی، لیاقت علی سیال، ملک آفتاب اعوان، زبیر بیگ،مقصود گیلانی،حسن علی ٹیپو، فاروق تسنیم افتخار ساغر، حافظ زاہد رازی، ذیشان احمد راجپوت، شہباز مغل،تنویر چوہدری، حافظ محبوب انجم سیفی، سید راشد گیلانی،عاصم بٹ،شبیر ڈوگر،انوار احمد شاہین،شیخ کلیم طارق،ممتاز سعیدی، احمد رضا نے بھرپور معانت کی۔ایڈیشنل سیشن جج صاحب کے آرڈر کو ڈی سی او صاحب کے دفتر میں وصول کروادیا گیا۔جب سے وڈیو کلپ دیکھا جس میں ماڈل ادکار حمزہ عباسی نے قانون کے خلاف ہرزہ سرائی کی ہے۔اُس وقت سے ہی قانونی پہلوؤں کے مطابق کام شروع کرنا شروع کر دیا۔اِس سارئے معاملے میں سب سے زیادہ معاونت مجھے جناب بدر ظہور شتی پیرزادہ کی رہی۔تھانہ پرانی انارکلی لاہور کے بعد سیشن کورٹ میں رٹ اور اُس رٹ کے بعد اب ڈی سی او کے دفتر تک کا سفر نبی پاک ﷺ کے عشق میں رواں دواں رہا بعدازں ہائی کورٹ اور پھر ہائی کورٹ سے متحدہ علماء بورڈ پنجاب کے پاس کیس اور علماء بورڈ کی جانب سے راقم کی بات کی تصدیق اور حمزہ علی عباسی کے خلاف کاروائی کا حکم دے دیا گیا لیکن پولیس ٹس سے مس نہ ہوئی۔بہرحال راقم نے اپنا فرض سمجھ کر یہ سب کچھ کیا۔

جب بندہ ناچیز نبی پاک ﷺ کی عزت و ناموس کے لیے سیشن کورٹ میں دلائل دئے رہا تھا تو مجھے میرئے ماموں جان میرئے پیرومرشد حضرت حکیم میاں محمد عنائت خان قادری نوشاہیؒ کی یاد آئی۔جب مشرف دور میں 295-C کے قانون کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کرنے کی کوشش کی تو راقم نے بطور صدر مصطفائی تحریک لاہور ڈویژن مال روڈ کے ایک ہوٹل میں پریس کانفرنس کی تھی اُس وقت مشرف کی

آمریت کا دور تھا۔ پولیس کی بھاری نفری پہنچ گئی تھی تو قبلہ حکیم میاں محمد عنائت خان قادری نوشاہیؒ سے فون پر بات ہوئی تو محترم ماموں جان کہنے لگے پُتر اگر نبی پاک ﷺ کی ناموس کی خاطر گولی کھانی پڑے تو سینے پہ کھانی ہے پشت پر نہیں۔ اِسی روحانی سرشاری اور عشق رسول ﷺ کی تمازت نے مجھے عجیب کیفیت سے دوچار کر رکھا ہے۔ غازی علم دین شہیدؒ، غازی ممتاز قادری شہیدؒ جیسے عظیم عاشق رسول ﷺ ہمارے لیے مشعل راہ ہیں۔ جب جب عشق رسول ﷺ کے مشن کے لیے خود کو تگ وتاز میں پایا تو تین ہستیاں میرے ساتھ روحانی طور پر رہی ہیں ایک ماموں جان قبلہ حکیم میاں عنایت قادری نوشاہیؒ صاحب دوسرے اُنکے بیٹے صاحبزادہ حکیم میاں محمد یوسف خان قادری نوشاہی اور تیسری ہستی میرے بچپن کے دوست جناب جاوید مصطفائی آف سرگودہا ہیں۔ ہر ہر تگ وتاز میں اِن کی دُعائیں شامل ہیں۔ اِس وقت پوری دنیا میں مسلمانوں کی حالت بہت خراب ہے جس کی وجہ سے نبی پاک ﷺ کی عزت وناموس کے حوالے ہرزہ سرائی کا سلسلہ جاری ہے۔ اسرائیل ہنوز فلسطینی مسلمانوں کی جان سے ہولی کھیل رہا ہے۔ کشمیر سات دہائیوں سے لہولہو ہے۔ داعش، القاعدہ اور طالبان کا فتنہ امریکہ بھارتی اور اسرائیلی سرپرستی میں اسلام کا نام لے کے کر مسلمانوں کو خون میں نہلا رہا ہے۔ مسلمانوں دنیا کی بہادر ترین قوم لیکن مسلم دنیا کہ حکمران اللہ پاک سے توکل کی بجائے امریکہ کو عملی طور پر اپنا خدا بنائے ہوئے ہیں۔ جعلی جہاد امریکہ نے مسلمانوں کو دبانے ختم کرنے کے لیے اپنی سرپرستی میں شروع کر رکھا ہے۔ غیرت مند قیادت سے دور مسلم آبادی یتیمی کی زندگی گزار رہی ہے۔

خالق اور مخلوق کا لازوال تعلق تقدیر اور تدبیر

تدبیر اور تقدیر دونوں کا سفر ساتھ ساتھ چلتا ہے جب تدبیر اختیار کی جاتی ہے تو تقدیر کے کئی پہلو تدبیر کے ہمنوا بن جاتے ہیں۔ تدبیر ایسے پھول کی مانند ہے جو تقدیر کے جلو میں ہی پنپتی ہے لیکن تقدیر کو نئے آہنگ سے آشنا کروا دیتی ہے اور تدبیر اور تقدیر کے معاملات ایسے ہو جاتے ہیں کہ خالق مخلوق کی اپنائی ہوئی تدبیر کو ہی تقدیر کا درجہ دے دیتا ہے۔ خوبصورت سے خوبصورت شے جب گندگی میں گرتی ہے تو اُس کے اردگرد گندگی لگ جاتی ہے۔ بے شک وہ گندگی بعد میں اُتر جاتی ہے۔ لیکن اُس گندگی کا جتنا وقت اُس شے کے ساتھ گزرا ہوتا ہے وہ اُس خوبصورت شے کو بھی کسی حد تک آلودہ کر دیتا ہے خوبصورت شے کی خوبصورتی پر بھی اُنگلیاں اُٹھنا شروع ہو جاتی ہیں۔ یوں خوبصورتی کی محور شے کسی طور بھی اُتنی پاکیزہ نہیں گردانی جا سکتی جتنا وہ گندگی میں گرنے سے پہلے تھی۔ لیکن خالق کا اپنے بندے سے محبت کا یہ عالم ہے کہ وہ کہتا ہے جب کافر مرنے بھی لگے اور کلمہ پڑھ کر رب کی واحدنیت کا اقرار کر لے تب بھی وہ اُسے بخش دیتا ہے۔

حالانکہ اُس کی ساری زندگی کفر میں گزری ہوتی ہے۔ بندے اور خالق کا تعلق اتنا محبت سے بھرپور ہے کہ خالق کفر کی حالت میں کیے گئے اُس کے سارے گناہ معاف کر دیتا ہے۔ بندہ خالق کا نائب جو ہے۔ ایک رب کی وحدانیت کا اقرار انسان

کو وہ سفر طے کروا دیتا ہے جو کہ بڑا کٹھن ہے۔ بندے کے ساتھ رب کی محبت اتنی عظیم ہے کہ بندہ رب کی رحمتوں کا شمار نہیں کر سکتا۔ کیا ایسا نہیں ہوسکتا کہ ہم اپنے رب کے بندوں سے پیار کرنا سیکھ جائیں کیونکہ رب تو بندے سے بے انتہا پیار کرتا ہے۔ وہ سب کا رازق ہے وہ بلا تخصیص رنگ وملت و مذہب سب کو روزی عطا کرتا ہے جو اُس کو مانتے ہیں اُن کو بھی دیتا ہے اور جو نہیں مانتے اُن کو بھی دیتا ہے۔ ہر انداز اور عمل کا جو بھی ردِعمل پیدا ہوتا ہے وہ خالق کی ہی رضا بنتا چلا جاتا ہے۔ سوچنے اور سمجھنے کی بات ہے کہ خالق اور مخلوق کے رشتے میں کتنی محبت ہے کہ خالق اپنے بندے کی رضا کو اپنی رضا بنا لیتا ہے۔ محبت کا یہ سفر بندے اور خالق کے درمیان اتنا مضبوط ہو جاتا ہے کہ خالق بندے کی دعا کو رد نہیں کرتا بلکہ لوحِ تقدیر پہ لکھا ہوا بھی بدل دیتا ہے۔ بندئے کی رب کے ساتھ محبت کا یہ عالم کہ بندہ خود کو فراموش کر دیتا ہے اور اپنی ایک ایک خواہش کو اپنے خالق کی رضا پہ قربان کر دیتا ہے۔ بندہ پھر خاکی اور نوری کے سفر سے نکل جاتا ہے نہ ہی وہ حیات اور ممات کا محتاج رہ جاتا ہے۔ خالق اُس کی روح کی حقیقتوں کو جب اُس پر آشکار کرتا ہے تو پھر اِس دنیا یا اُس دنیا میں فرق صرف ایک سفر کا ہی رہ جاتا ہے۔ تب بندئے کو صوفی کہہ لیا جائے ولی کہہ لیا جائے۔ اللہ کا دوست کہہ لیا جائے ایک ہی بات ہے۔ دُکھ کو سُکھ بُھلائے اور درد کو چین بدی کا مداوا نیکی سے ہوتا ہے۔

نفرت کو محبت مٹا دیتی ہے خالق کی محبت روح میں نیا جہاں بسا دیتی ہے خالق کے بندوں کی محبت عبد ہونے کا احساس دلا دیتی ہے محبت امن محبت سُکھ، محبت چین محبت لازوال روح لازوال محبت کا مسکن روح روح کو موت نہیں آتی محبت کو بھی موت نہیں آتی۔ دل اپنا ہی اپنے اختیار میں نہیں اُس سے شکوہ عبث ہے پہلے خود سے تو

کچھ منوالوں پھر اُس کی جانب نگاہ جائے عشق کی راہ کا سفر انوکھا ہے وہ عشق ہی عشق ہے جس میں من اور تن ایک جیسا ہو جائے۔ عشق کی جیت ہر حال میں ہی ہے وصل بھی کامیابی ٹھہرا ہجر بھی کسی امتیاز سے کم نہیں۔ عشق کی جیت تو ہر حال میں ہی ہے کتنا اعزاز بخشتا ہے یہ عشق اِس کی حقیقت ہر حال میں بقا ہی بقا، وفا ہی وفا۔ خواب ادھورے کس کام کے جب راہوں کا تعین ہی نہ ہو تب منزلِ مراد کی کیا حقیقت اِس گورکھ دھندے سے نکلنا نہ یا نکلنا بے معنی ہے خود کی پہچان ہوئے بغیر۔ قبر کا تصور اُس وقت کیا جائے جب اپنے پیاروں کے ساتھ خوشیاں منائی جا رہی ہوں۔ جب اپنے گھر میں سکون کے ساتھ محوِ خواب ہو۔ جب ساری حیاتی کا حاصل سمجھی جانے والی منزل مل جائے تو اُس وقت جب ابدی گھر پکار رہا ہو اور انسان یہ سوچے کہ بس میں نے اب قبر میں اُتر جانا ہے۔ تب زندگی کی بناوٹی خوشیاں کتنی پھیکی پڑ جائیں۔ شائد تب زندگی کے ہونے یا نہ ہونے کا مطلب بھی سمجھ میں آ جائے۔ صوفیاء کے ہاں تو زندگی کا مقصد صرف ایک سفر ہے۔ جس لمحے سورج کی کرنیں خالق کا پیغام کائنات میں بکھیرتی ہیں کوئل کی من بھاتی آواز خالق کی خدائی میں رنگ بھرتی ہے جب چاند اندھیری گُھپ رات میں ٹم ٹماتا ہے جگنو بھی اِس روشنی کا ننھا مسافر ہوتا ہے اِن لمحوں میں بندے مانگتے ہیں کتنے خوش نصیب ہوتے ہیں جو اپنے لیے سب کچھ خالق سے ہی طلب کرتے ہیں۔ تدبیر اور تقدیر کے سفر میں بندے اور خالق کی رضا تب ایک ہی بن جاتی جب بندہ بندگی کے پیمانے پہ پورا اُترتا ہے۔ بندگی پہ پورا اُترنا اتنا مشکل نہیں ہے بس جو خالق کی رضا اُس کو بندہ اپنی رضا بنا لے۔

ساری گفتگو کا نچوڑ یہ ہی ہے کہ بندہ خالق کا قُرب پا سکتا ہے لیکن اُس کے لیے اتنی سے بات ہے کہ خالق کے بندوں کا قُرب حاصل ہو جائے۔ یہ ہی اللہ کے نیک

بندوں کا دستور ہے۔امکانات کی دُنیا ہے یہ جو ہو رہا ہوتا ہے وہ وہ اپنا راستہ بنائے جا رہا ہے۔اِس لیے ہونا ہی درحقیقت ردعمل کی ابتداء ہے۔اِسی سے تعمیر اور تخریب دونوں کا ظہور ہوتا ہے۔اِسی طرح محبت جفا اور وفا کے جذبوں کو اِیسی تمازت سے نوازتی ہے کہ من کی دنیا اور تن کی دنیا ایک جیسی ہوجانے کا ردعمل شروع ہوجاتا ہے۔ہر ہر امکانی صورت کے پیچھے ایسی ہی سرگرمی ہوتی ہے جس سے راستے منفی اور مثبت دونوں میں کسی رُخ پہ گامزن ہوجاتے ہیں۔روح کی تشنگی کی حدت نے یہ فیصلہ کروانا ہوتا ہے کہ عشق کی آگ میں ڈوبنا ہے یا عقل کی راہوں کا مسافر بننا ہے۔راہی کی منزل کا پتہ اُس کے طور اطوار دئے رہے ہوتے ہیں۔جس طرح ماں کو اِس سے کوئی غرض نہیں ہوتی کہ اُس کا بیٹا اُس کو چاہتا ہے یا نہیں اُس نے تو صرف چاہنا ہوتا ہے یہ سب کچھ تو اُس کی جبلت میں ہے۔ماں نے محبتیں شمار نہیں کرنا ہوتیں۔محبتیں شمار تو وہ کرے جس کو کوئی طمع ہو۔ماں نے تو بس صرف نوازنا ہے اپنی اولاد کو بیٹا ہو یا بیٹی ہو۔اچھے اور بُرے کے پیمانے ماں کے نزدیک نہیں ہوتے اُس کا معیار صرف یہ ہی ہوتا ہے کہ اُس کی اولاد ہے۔خالق بھی نوازتا چلا جاتا ہے اُسے بھی جو خالق کو اپنا رب مانتا ہے اور اُسے بھی جو خالق کو نہیں مانتا۔خالق کی محبت ماں کی محبت سے ستر گُنا سے بھی زیادہ ہوتی ہے۔خالق تو ماں اور اولاد دونوں کا خالق ہے۔خالق اپنی مخلوق کے لیے کیسے منفی کرسکتا ہے وہ تو سراپا رحم ہے وہ کریم ہے۔لیکن خالق کی عطا سے فیض یاب ہونے کے لیے ایسے راستے کا تعین کرنا پڑتا ہے جس کی منزل عشق ہو عقل خالی کسی کام نہیں ہے۔ ہوس کی نمو کی تیزی میں اضافہ کرنے والے اسباب خالق اور بندے کے درمیان دوری پیدا کردیتے ہیں۔

انسانی افعال اور تقدیر پر رزقِ حرام کے اثرات

رزقِ حرام انسان سے ہر طرح کا حیاء اور رواداری چھین لیتا ہے اور انسانی جسم کے اندر داخل ہو کر وہ گُل کھلاتا ہے کہ شراب اور خنزیر سے بھی زیادہ شدت کا حامل ہوتا ہے اور انسان سے انسانیت چھین کر اُسے خوب رسوا کرتا ہے۔ صرف بلی اور کتے کا گوشت حرام نہیں ہوتا بلکہ حرام کی کمائی سے خریدا اور کھایا جانے والا مُرغے کا گوشت حلال ہونے کے باوجود حرام ہو جاتا ہے اور انسان کے قلب کو اور اُس کی روح کو پراگندہ کر دیتا ہے انسان کے اندر جا کر وہ حرام زدگیاں کرتا ہے کہ رشتوں کی پہچان تک چھین لیتا ہے۔ دیکھنا صرف یہ ہے کہ جب ہم یہ سوچتے ہیں کہ کیا اچھا ہے اور کیا بُرا ہے تو یہ بات یقین سے بھی بڑھ کر ہمیں پتہ چلتی ہے کہ کسی کا حق مارنا دنیا میں سارے فساد کی جڑ ہے۔ حق مارنے سے مراد یہ ہے کہ عدل نہ کیا جائے جس چیز کو جہاں ہونا چاہیے اُسے وہاں نہ رکھا جائے ۔ جو جس کا ہے اُس کے حوالے نہ کیا جائے۔ قدرت کے سامنے تمام تر محرکات ہوتے ہیں قدرت نے ان افعال سے چشم پوشی اختیار نہیں کی ہوتی کیونکہ کائنات کے نظام میں اصل مرکز تو ہے ہی عدل۔

اِس لیے جب کوئی کسی کا حق مارتا ہے تو وہ گویا اپنے لیے حرام چُن لیتا ہے۔ وہ حرام جب اُس بندے کے جسم میں داخل ہوتا ہے تو اُس کے اندر ایسی جینیاتی

تبدیلیاں لاتا ہے کہ خدا کی پناہ۔ پھر وہ شخص نہ تو رشتوں کا تقدس برقرار رکھتا ہے اور نہ ہی حق اور ناحق میں فرق۔ وہ ایک ایسے گدھ کی شکل اختیار کر لیتا ہے جس کی منزل صرف اور صرف مُردار کھانا ہوتا ہے۔ رب پاک نے یہ کائنات ویسے بنا کر نہیں رکھ چھوڑی کہ اِس کا نظام خود ہی چلتا رہے بلکہ ہر عمل کے بدلے ہر لمحے ردِعمل پیدا ہوتا ہے اور اُس کے اثرات کا خمیازہ پھر اُسے بھگتنا پڑتا ہے جو اِس عمل کا حامل ہوتا ہے۔ زندگی میں یہ نہیں کہ ہم جو بھی کرتے رہیں اُس کی کوئی پوچھ گچھ نہیں ایسا نہیں ہے رب پاک ہر فعل کے بدلے اُسی طرح کے عمل سے انسان کو گزارتا ہے جس طرح کا مستحق ہوتا ہے۔ چند برس پہلے ایک بوڑھا شخص سڑک کنارے مانگ رہا ہوتا تھا۔ وہ اپنے قرب وجوار کو چھوڑ کر دوسرے علاقوں کی طرف نکل جاتا اور بھیک مانگتا اور اپنی گزر بسر کرتا۔ اُس بوڑھے شخص کے پانچ بیٹے تھے۔ پانچوں بہتر روزگار کے حامل تھے۔ بوڑھا شخص کبھی کسی بیٹے کے گھر جاتا چند دن بعد اُسے وہاں سے نکال دیا جاتا تو پھر اُسے کسی اور بیٹے کے ہاں جا کر پناہ لینا پڑتی لیکن وہاں سے بھی چند دنوں کے بعد اُسے دھتکار دیا جاتا اُس کے دوادارو کا کوئی بھی بیٹا خیال نہ رکھتا۔ مجبوراً مرتا کیا نہ کرتا اُس بوڑھے شخص نے بھیک مانگنا شروع کر دی۔ یوں اُس کی گزر بسر ہو جاتی۔

جب اُس کے پوتوں نے دیکھا کہ کہ اُن کا دادا خود کفیل ہو گیا ہے اور اُس کے پاس روپے پیسہ بھی ہوتا ہے تو وہی پوتے جن کو بوڑھے دادے کا وجود اپنے گھر میں بلکل برداشت نہ تھا وہ اِس چکر میں پڑ گئے کہ دادا سے پیسے اینٹھے جائیں اور پتہ چلایا جائے کہ دادا کہ پاس پیسے کہاں سے آتے ہیں ایک پوتا دادا کو گھر لے گیا اور لگا منت سماجت کرنے کہ آپ ہمارئے گھر رہیں آپ کو یہاں کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ اندھا کیا

چاہے دو آنکھیں۔ بوڑھے بے چارے شخص کو تو پہلے ہی پناہ چاہیے تھی وہی بوڑھا شخص جو کبھی اُس گھر کا مالک تھا وہاں مجبور اور محکموم بن کر زندگی کے دن پورے کر رہا تھا۔ پوتوں نے دیکھا کہ دادا کے پاس کافی ریزگاری ہوتی ہے تو اُنھیں سمجھ آ گئی کہ اُن کے دادا نے بھیک مانگنی شروع کر دی ہے بجائے اِس کے وہ نادم ہوتے کہ یہ سب کچھ کیا ہو رہا ہے انھوں نے دادا سے تقاضا شروع کر دیا کہ اُن کو بھی پیسے دیں یوں وہ بوڑھا دن بھر سڑکوں پر بھیک مانگتا اور شام کو آ کر ایک بیٹے کے گھر پڑا رہتا اور پوتوں کو پیسے دیتا رہتا۔ اِس ساری کہانی میں بوڑھے شخص کے جوان بیٹوں کا کردار اتنا بھیانک تھا کہ اُن کے سامنے اُن کا باپ ذلیل ورسوا ہو رہا تھا لیکن اُن کوئی پروا نہیں تھی وہ اِس سارے واقعے سے چشم پوشی اختیار کرتے رہے اور بوڑھے کی بہویں تو بابے کو رتی برابر بھی برداشت نہ کرتی تھیں ۔ بوڑے بھکاری کے بیٹے پوتے پوتیاں بہترین زندگیاں گزار رہے تھے سب کے ہاں آسودگی کا عالم تھا۔لیکن بوڑھے شخص کی قسمت اُس سے روٹھ گئی تھی۔ بعدازاں پتہ چلا کہ وہ بوڑھا اپنی جوانی میں غریبوں یتیموں کے مال کو ہڑپ کرتا رہا تھا اور دنیا میں ہی وہ اتنا ذلیل وخوار ہوا کہ خدا کہ پناہ اکثر واقفِ حال لوگ چہ میگوئیاں کرتے کہ ہٹے کٹے بیٹوں کا باپ سڑکوں پر کھڑا بھیک مانگ رہا ہوتا ہے لیکن حرام کی کمائی سے پرورش پانے والی اولاد نے بھی تو اپنا حق ادا کرنا تھا سو اُنھوں نے وہ کیا۔اور اپنے بوڑھے باپ کے معاملے میں اپنے مُردہ ضمیر کی ہر بات مانی۔ پھر ایک دن وہ بوڑھا شخص بھیک مانگتا ہوا ٹرک کے نیچے آ کر کُچلا گیا اور دم توڑ گیا۔انا للہ وانا الیہ راجعون۔اُس بوڑھے کا جنازہ بڑے اہتمام سے اُٹھایا گیا اور اُس کی روح کے ایصال ثواب کے لیے خورد ونوش کا اہتمام کیا گیا اور

بیٹوں نے اُس کی میت کے پاس کھڑے ہوکر خوب آنسو بھی بہائے۔آج ہر طرف آہ پکار ہے کہ اولاد فرماں بردار نہیں ہے جب آپ نے اولاد کی پرورش حرام کی کمائی سے کی ہے تو حرام کی کمائی سے نشونما پانے والا جسم اور اُس جسم کے اندر روح کیسے حلال ہوسکتی ہے۔ اس لیے کہ جب حرام کمایا جاتا ہے تو اُس وقت اُس سے بہت سے لوگوں کے حقوق پر ڈاکہ ڈالا جاتا ہے جس سے معاشرہ اپنا توازن کھو بیٹھتا ہے اور پھر معاشرے میں اخلاقی قدریں زوال پزیر اولاد نافرمان اور یہ ہی حال بیوی اور بہن بھائیوں کا ہوتا ہے۔

حسد کی آفت ۔ ناشکری کی انتہا

غصے سے کینہ پیدا ہوتا ہے اور کینے سے حسد اور حسد مہلک ترین زہر ہے انسان کے لیے۔ نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ حسد نیکیوں کو اِس طرح کھا جاتا ہے جیسے آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے۔ خالق سراپا عطاء ہے اور خالق نے اپنے بندے کو ہمیشہ نوازنا ہوتا ہے۔ خالق کی عطاء پر صابر و شاکر رہنے والا ہی اللہ پاک کو پسند ہے۔ اگر کسی کو خالق نے زیادہ نواز دیا ہے اور کسی کو کم تو اِس پر حسد نہیں کرنا چاہیے کیونکہ حسد ایک ایسی بیماری ہے جس کی وجہ سے انسان سے اُس کا ایمان چھن جاتا ہے۔ موجودہ حالات میں حسد اور بغض نے انسانیت کو ہلاکت میں ڈال رکھا ہے۔ کسی بھی معاشرے کا اہم عامل فرد ہوتا ہے۔ کسی کو زیادہ اور کسی کو کم مال و دولت مل پاتی ہے۔ لیکن ایسے میں حسد کا مرتکب ہو کر اپنے ایمان کو غارت کرنا۔ اللہ پاک کو کیسے پسند ہو سکتا ہے۔ مخلوق کا خالق کے دیئے ہوئے پر شاکر ہونا اور کسی سے حسد نہ کرنا وہ عمل ہے جس کی وجہ سے معاشرے میں بھائی چارہ فروغ پاتا ہے۔ جب دین اسلام نے کہہ دیا کہ تم میں سے ہر کوئی دوسرے کا بھائی ہے۔ جو کچھ اپنے لیے پسند کرتے ہو وہی اپنے دوسرے مسلمان بھائی کے لیے پسند کرو۔ دین اسلام کا یہ اندازِ فکر معاشرے میں رواداری کا ضامن ہے۔ اسی لیے تو کہہ دیا گیا کہ دوسرے مسلمان کا جان و مال تم پر جائز نہ ہے۔ جرائم ہونے کی وجوہات میں بہت بڑی وجہ یہی عمل ہے کہ حاسد بن

کر دوسروں کی خوشیوں پر ڈاکہ مارا جاتا ہے۔ چوری ڈاکے، لڑائی جھگڑے، لوٹ مار کی بنیادی وجہ یہ حسد ہی ہے۔ اِسی حسد کی وجہ سے انسانی جذبے انسانی اقدار سے محروم ہو جاتے ہیں اور جنگلی جانور بن جاتے ہیں۔ جن معاشروں میں معاشی آسودگی کم ہوتی ہے یا روزگار کی کمی ہوتی ہے۔ وہاں کرپشن میں بے بہا اضافہ ہو جاتا ہے اور یہ ہی کرپشن قتل و غارت کا سبب بنتی ہے اور ایسا اس لیے بھی ہے کہ ہیوا اینڈ ہیونا ٹ کا معاشی چکر انسان کو سماجی بیماریوں میں مبتلا کر دیتا ہے۔ حالیہ سالوں میں پاکستانی معاشرے میں حسد کی وبا کی بدولت کرپشن اور بے حیائی میں بے پناہ اضافہ ہوا ہے۔ والدین کے رویوں سے اولاد بھی اُن کے نقش قدم پر چلنا شروع ہو جاتی ہے۔ ایک جگہ ارشاد مرکوز ہے کہ گمان بد، دوم فال بد، سوم حسد۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں تمھیں اِسکا علاج سکھلاؤں کہ کیا ہے۔ جب کوئی کسی کے بارے میں بدگمانی کرے تو اپنے دل میں اِس کو سچ نہ سمجھے اور اِس پر ثابت و قائم نہ رہے اور جب بدفالی سنے تو اِس پر اعتماد نہ کرے اور جب حسد پیدا ہو تو زبان اور ہاتھ کو اِس پر عمل کرنے سے بچائے۔

نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمانِ عالی شان ہے کہ تمھارے اندر وہ بات پیدا ہونے لگی جس نے اگلی اُمتوں کو ہلاک کرایا تھا۔ اور وہ حسد و عداوت ہے قسم ہے اِس معبود کی جس کے دست قدرت میں مجھ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جان ہے کہ تم بہشت میں نہ جاؤ گے جب تک تم صاحب ایمان نہ ہو گے اور جب تک ایک دوسرے کو دوست نہ رکھو گے۔ میں تمھیں بتاؤں کہ یہ محبت کس طرح پیدا ہو گی۔ تم ایک دوسرے کو سلام کیا کرو۔ حاسد کے حوالے سے اللہ پاک کے پاک نبیؑ حضرت زکریاؑ نے فرمایا کہ حق تعالی کا ارشاد مبارک ہے کہ حاسد میری نعمت کا دُشمن ہے وہ میرے حکم پر خفا ہوتا ہے اور بندوں میں میری تقسیم کو پسند نہیں کرتا۔

نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ چھ قسم کے لوگ بغیر حساب کتاب کے جہنم میں جائیں گے۔امیر اپنے ظلم کے باعث،عرب تعصب کی بدولت، مالدار تکبر کے باعث،سوداگر اپنی خیانت کی وجہ سے اور دہقاں اپنی جہالت اور نادانی کے سبب سے اور علماء حسد کے باعث۔حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ایک روز نبی پاک ﷺ کے پاس ہم بیٹھے تھے۔آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایک شخص اہل بہشت سے یہاں آئے گا۔۔تب انصار کی جماعت سے ایک صاحب وہاں تشریف لائے۔اپنے بائیں ہاتھ میں لوٹا لٹکائے ہوئے تھے اور وضو کا پانی اُن کی داڑھی سے ٹپک رہا تھا۔ دوسرے اور تیسرے دن بھی نبی پاک ﷺ نے اسی طرح فرمایا اور وہی صاحب تشریف لائے۔حضرت عبداللہ ابن العاصؓ نے چاہا کہ اِس کا رنگ ڈھنگ معلوم کریں چنانچہ اِن صاحب کے پاس گئے اور کہا کہ میں اپنے باپ سے لڑا ہوا ہوں چاہتا ہوں کہ تین راتیں آپ کے پاس ٹھروں ۔ اُس شخص نے یہ بات منظور کر لی۔حضرت عبداللہ ابن عمر بن العاصؓ فرماتے ہیں کہ اِن تین راتوں میں اِن کے عمل پر نظر رکھے رہا۔میں نے دیکھا وہ جب سو کر اُٹھتے تو اللہ پاک کا ذکر کرتے۔اِس کے بعد میں نے اِن سے کہا کہ میری اپنے باپ سے لڑائی نہیں ہوئی تھی البتہ نبی پاک ﷺ نے تمھارے بارے میں ایسا فرمایا تھا کہ میں نے چاہا کہ تمھارا عمل معلوم کروں۔اُنھوں نے کہا کہ میرا عمل یہی ہے جو تم نے دیکھا، جب میں میں اُن کے گھر سے نکلا تو اُنھوں نے مجھے پکارا اور کہا ایک اور بات ہے اور وہ یہ کہ میں نے ہرگز کسی کی خوبی پر حسد نہیں کیا۔میں نے اُن کو جواب دیا آپ کو یہ درجہ اِسی سبب ملا ہوگا۔

❁❁❁

غازی علم دین شہیدؒ کا ہم سفر غازی ممتاز قادری شہیدؒ

مورخ جب تاریخ لکھے گا کہ غازی علم دین شھیدؒ کو پھانسی انگریز حکومت نے دی تھی اور غازی ممتاز قادریؒ کو پھانسی اسلامی جمہوریہ پاکستان کی اسلام نواز، نواز شریف کی حکومت نے دی تھی۔ غازی علم دین شھیدؒ کے وکیل قائداعظم محمد علی جناحؒ تھے اور غازی ممتاز قادری شھیدؒ کے وکیل جناب خواجہ محمد شریف سابق چیف جسٹس لاہور ہائی کورٹ اور جسٹس (ر) نذیر اختر صاحب تھے اور نواز شریف کی حکومت تھی۔ ممتاز قادری شہید کو اللہ پاک نے نبی پاک ﷺ کے طفیل عظیم رفعتیں عطا فرمائیں۔ لیکن نواز حکومت نے امریکی ایجنڈے کے آگے سر تسلیم خم کر دیا۔ ریمنڈ ڈیوس کو رہا کرنے والوں نے عاشق رسول ﷺ کو پھانسی دے دی۔ اللہ پاک غازی ممتاز قادری شھیدؒ کو نبی پاک ﷺ کی شفاعت نصیب فرمائے۔ تمام اہل اسلام سے گزارش ہے کہ جذبہ ایمانی کا مظاہرہ ضرور ہونا چاہیے لیکن توڑ پھوڑ اور اپنے ہی لوگوں کو تکلیف میں مبتلا کرنے سے ہمیں گریز کرنا چاہیے۔

نبی ﷺ کے عاشقوں کی شہادتوں والی فہرست میں ایک اور رسول ﷺ کے عاشق کا نام شامل ہو گیا۔ کہا جاتا ہے کہ ممتاز قادری اگر نبی پاک ﷺ کی محبت سے سرشار تھا تو پھر سزائے موت کے خلاف اُنھوں نے اپیل کیوں کی۔ یہ ہی الزام

غازی علم دین شہیدؒ کے اوپر لگایا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ غازی علم دینؒ کا عشق اُن کو پھر اپیل کرنے سے کیوں روک نہ سکا۔ درحقیقت بات یہ ہے کہ ممتاز قادریؒ کے چاہنے والوں نے نبی پاک ﷺ کی محبت میں سرشار عوام نے ممتاز قادری کو اپیل کے لیے بمشکل آمادہ کیا ایسی صورتحال ہی غازی علم دین شہیدؒ کے ساتھ محبت کرنے والوں کی تھی۔ کہ قائد اعظمؒ جیسا عظیم قانون دان اُن کی جانب سے پیش ہوا تھا۔ممتازی قادریؒ کے معاملے میں ہمیں کچھ سوالات کا جواب چاہیے ہوگا۔ جب ممتاز قادریؒ نے یہ عمل کیا تو کیا کہ اُس وقت تک ریاست نے اُس شخص کے خلاف کوئی کاروائی کی تھی جو کہ سرعام توہین رسالت کے قانون کا مذاق بنا رہا تھا۔ اور اُس خاتون کو پاس بٹھا کر پریس کانفرنس کر رہا تھا کہ یہ کالا قانون ہے اور جرم کی مُرتکب خاتون آسیہ بی بی بے گناہ ہے۔ کیا سلمان تاثیر عدالت لگائے بیٹھا تھا کہ وہ بطور جج اِس طرح کا فیصلہ سنا رہا تھا۔ اور پھر سلمان تاثیر نے یہاں تک کہا تھا کہ وہ زرداری سے ملاقات کر کے اِس خاتون کو ملنے والی سزا ختم کروادے گا۔ اب اگر ہم بطور مسلمان اپنے عقیدے کو دیکھیں تو ہمارا اِس بات پر راسخ ایمان ہے کہ ایک انسان کا قتل پوری انسانیت کا قتل ہے۔ لیکن اِس کے ساتھ ساتھ یہ امر بھی پیشِ نظر رہنا چاہیے کہ کائنات میں صرف ایک ہستی ایسی ہے کہ جس کی عزت وحرمت اور مقام کے حوالے سے خالقِ کائنات خود نبی پاک ﷺ کی شان کے دُشمنوں کو وعید سناتا ہے۔ اور جس وقت بھی نبی پاک ﷺ کی ذات پاک کو ایذا پہنچائی گئی رب پاک نے خود اِس حوالے سے اپنا فرمان جاری کیا۔ نبی پاک ﷺ کی عزت وحرمت کی حفاظت کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے اور ایسا کر کے مومن مسلمان اپنے رب کی سُنت ادا کرتا ہے۔

جورب یہ کہتا ہے کہ اے نبی ﷺ اگر میں تمھیں پیدا نہ کرتا تو کچھ بھی پیدا نہ کرتا حتیٰ کہ اپنے وجود کا اظہار نہ کرتا۔ نبی پاک ﷺ کی عزت وحُرمت کی حفاظت کے حوالے سے ایک مسلمہ قانون جس پر تمام مسلمان مکمل طور پر متفق ہیں اور وہ اِس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ کی شان اقدس میں گستاخی کرنے والوں کے لیے ایک ہی سزا ہے کہ اُن کا سرتن سے جُدا کر دیا جائے۔ جورب اپنے پیارے محبوب ﷺ کی شان مبارک کے حوالے سے اِس طرح مخلوق سے مخاطب ہے کہ اپنی آوازیں تک بھی نبی ﷺ کی آواز سے اونچی نہ کرو، کہیں تمھارے تمام اعمال ضائع نہ کر دیئے جائیں۔ جورب اپنے محبوب ﷺ کو کہتا ہے کہ بے شک تمھارا دُشمن بے نام ونشان رہے گا۔ جس طرح کی شخصیت نبی پاک ﷺ کی ہے اُس لحاظ سے اُن ﷺ کی عزت وتکریم کی حفاظت کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے اُس شخص کا سرتن سے جدا کر دیا جس نے یہ کہا تھا کہ میں نے نبی پاک ﷺ سے فیصلہ کروایا ہے جو کہ مجھے پسند نہیں ہے آپؐ میرا فیصلہ فرما دیں۔ عمر فاروقؓ نے ایسے شخص کی جان لے لی جو کہ نبی پاک ﷺ کے بطور جج کیے گئے فیصلے کو مان نہیں رہا تھا۔ اگر ہم 295C تعزیراتِ پاکستان کی شق کا جائزہ لیں تو یہ بات ظاہر ہے کہ نبی ﷺ کی ناموس کے خلاف بولنے والوں کو سزائے موت کا حکم ہے۔

پاکستان میں تمام فقہ کے ماننے والے مسلمان اِس بات ہر متفق ہیں کہ سلمان تاثیر کا جو ردعمل تھا اگر تو ریاست اِس حوالے سے اپنا کردار ادا کرتی تو پھر تو بات یہاں تک نہ پہنچتی۔ جس عمل کے حوالے سے حضرت اقبالؒ نے غازی علم دین شھیدؒ کے لیے بھرپور تحریک چلائی۔ اُس کام کو خلاف دین خلاف قانون کیسے کہا جاسکتا

ہے۔مجلس ملی شرعی جس میں تمام مسالک کے بلند پایہ علماء شامل ہیں نے متفقہ طور پر ممتاز قادریؒ کی حمایت کی تھی۔جو عمل 1929 کو غازی علم دینؒ کی سزا کے حوالے سے درست تھا اُس وقت تو انگریز متحدہ ہندوستان پر براجمان تھا اب وہی موقف غلط کیسے کہ ممتاز قادریؒ کو سزائے موت۔انگریز جج اور پاکستانی ججوں کے اقوال و افعال میں اتنی یکسانیت خدا کی پناہ جس معاشرے میں انصاف ملنے سے پہلے مظلوم مرجاتا ہے اُس معاشرے کے جج صاحبان کو غازی ممتازؒ کے معاملے میں قانون کی بالا دستی کا خیال کھائے جارہا ہے اور اِن بدبختوں کو نبی پاک ﷺ کی عزت وتوقیر کی کوئی پروا نہیں۔جو عدالتیں ریمنڈ ڈیوس جیسے سفاک قاتل کو معاف کرسکتی ہیں اُن کو واقعی یہ حق ہے کہ وہ انگریز کی پیروی کرتے ہوئے غازی علم دین شھیدؒ کی طرح ممتاز قادری کو بھی پھانسی کی سزا دیتیں۔شہادت ہے مطلوب ومقصود ومومن۔نہ مال غنیمت نہ کشور کشائی عاشق رسول ﷺ کو شہادت مبارک ہو۔غازی علم دینؒ کے ساتھی کو نبی پاک ﷺ کی شفاعت نصیب ہو۔جتنی رفعتیں نبی پاک ﷺ کی محبت کی بدولت ممتاز قادریؒ کو مل چکی تھیں وہ اگر رہا ہوجاتا تو کیسے جی پاتا۔

عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی ہمارا ایمان

زخموں سے رِستا ہوا لہو اور محبوب کے فراق کے لمحات دونوں میں فرق نہیں دونوں کی حثیت عمومیت کی حامل ہوتی ہے۔ نہ تو فراق کوئی اجنبی شے ہوتی ہے عاشق کے لیے اور نہ ہی زخموں سے لہو کا رِسنا زخموں کے لیے کوئی انوکھا کام ہوتا ہے۔ عاشق کا عشق سلامت ہے تو پھر یہ راہ عشق کے انداز بھی جاری ہیں۔ ورنہ کہاں کے زخم اور کہاں کے فرقت کے لمحات۔ جب عشقِ مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حوالے سے کسی بھی دنیاوی تگ وتاز کا تذکرہ ہوتا ہے تو حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمان غنیؓ حضرت علی حیدر کرار، امامِ عالیٰ مقام حضرت امام حسینؓ وامام حسنؓ صحابہ کرامؓ کی زندگیاں ہمارے لیے مشعل راہ بن جاتی ہے۔ تابعین تبعہ تابین اولیا اکرام شھداء اِن تمام عاشقان رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک ہی نصب العین ہمارے سامنے آتا ہے کہ جو ہو نہ عشق مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو زندگی فضول ہے۔ غلامیِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں موت بھی قبول ہے۔ اللہ پاک نے یہ کائنات اپنے محبوب بندے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے تخلیق کی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بدولت ہی سارے جہانوں کے اندر جان ہے۔ حضرت علامہ اقبالؒ کے بقول ہر مسلمان کے اندر روح محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔

اب اگر روح محمدؐ کا حامل انسان عاشقِ رسول نہیں ہوگا تو پھر کیسے ہوگا؟۔ گویا

خالص اندازِ توحید کا مطلب ہی یہ ہے کہ اللہ اور اُس کے محبوب نبی ﷺ کی اطاعت کی جائے۔ اِس لیے ادب و احترام کا دامن کبھی بھی چھوڑا نہ جائے۔ کیونکہ جہاں جبریل جیسے قربِ الٰہی رکھنے والے فرشتے کو بھی بلا اجازت پیش ہونے کی ہمت نہیں جہاں عالم یہ ہو کہ نبی پاک ﷺ اُس وقت بھی نبی تھے جب آدم ابھی آب وگل میں تھے۔ جہاں اللہ پاک خود نبی پاک ﷺ کے مقام کے تحفظ کی قسم کھاتا ہو۔ جہاں ابوبکرؓ کے لیے صرف خدا کا رسول ﷺ ہی سب کچھ ہو۔ جہاں عمر فاروقؓ کی عدالت کا فیصلہ صرف اِس بات پر ہو کہ نبی ﷺ کا فرمان حتمی ہے اور عمر فاروقؓ نبی ﷺ کے فرمان میں تاویلیں پیش کرنے والے کی گردن اُڑانے کے بعد کہیں کہ اگر تمھیں نبی پاک ﷺ کا فیصلہ پسند نہیں تو پھر میرا فیصلہ تو یہ ہے۔ جہاں عثمان غنیؓ دو انوار کے حامل ہوں جہاں حیدر کرارؓ کی تربیت نبی ﷺ نے خود فرمائی ہو جہاں امام عالیٰ مقام حسنؑ و حسینؑ کو اپنے کاندھوں پر جھولے دیئے گئے ہوں ایسی ہستی کے حوالے یہ گمان کرنا کہ اُس کی حثیت عمومیت کی حامل ہے یا وہ عام انسانوں جیسے ہیں یا اُن کا حلقہِ اثر صرف عرب کی سرزمین ہے۔ جو نبی پاک ﷺ کی شان کو کم کر کے اللہ کی شان بڑھانے کے لیے اپنی توانائیاں صرف کر رہے ہوں تو ایسے لوگوں کے لیے بہترین راستہ یہ ہی ہے کہ وہ نبی ﷺ کا اُمتی بننے کی بجائے یہودی اور عیسائی بن جائیں کیونکہ اُن کے اور ہمارے درمیان فرق صرف مصطفٰے کریم ﷺ کی نبوت کا ہے ورنہ یہود نصاریٰ بھی اللہ کو ایک مانتے ہیں۔ اِس لیے ایسے لوگوں کو اپنے ایمان کی خیر منانی چاہیے۔ جب اللہ پاک خود فرماتا ہے کہ اے میرے محبوب ﷺ اگر میں تجھے پیدا نہ کرتا تو زمین و آسمان پیدا نہ کرتا بلکہ اپنے

رب ہونے کا اظہار نہ کرتا۔تو پھر چوں کہ چنانچہ کی گردانیں پڑھنے کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔اللہ پاک نبی پاک ﷺ ہمارے ایمان کی بنیاد ہیں۔قران کو ماننے کی رٹ لگانے والے صاحب قران نبی ﷺ کی عزت وتوقیر کیے بغیر کس طرح قران پر من وعن ایمان رکھنے کی بات کرتے ہیں۔ نبی پاک ﷺ پر چوبیس سال تک قران نازل ہوا۔جس بات کو نبی پاک ﷺ کی زبان مبارک نے فرمادیا کہ میرے صحابہؓ قران میں اللہ پاک نے یہ فرمایا ہے تو صحابہ اکرامؓ نے اُسے قران سمجھ کر تحریر کر لیا اور جب نبی پاک ﷺ نے فرمادیا کہ میرے صحابہ اکرامؓ یہ بات جو میں کہہ رہا ہوں یہ حدیث ہے تو اُسے صحابہ اکرامؓ نے حدیث کا درجہ دے دیا۔جب تعین ہی نبی پاک ﷺ نے کرنا ہے کہ یہ قران ہے اور یہ بات قران نہیں ہے تو قران سے زیادہ فضیلت تو صاحب قران نبی پاک ﷺ کی ہے۔جن پر قران نازل ہوا۔جن کیوجہ سے خالص توحید سے آشنائی ہوئی۔جن کی وجہ سے کائنات کا وجود ظہور پذیر ہوا۔وجہ صرف یہ ہی ہے کہ جب نبی پاک ﷺ کا بولنا چلنا پھرنا ایک ایک عمل رب کے حکم سے ہے تو پھر جو کچھ بھی نبی پاک ﷺ کا عمل ہے وہ اللہ کا عمل ہے اور جو بھی محبت اور تکریم نبی پاک ﷺ کے لیے ہے وہ درحقیت اللہ پاک سے محبت اور تکریم ہے۔اِس لیے نبی پاک ﷺ کے بغیر نہ تو اللہ پاک کو راضی کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی ہم مسلمان ہوسکتے ہیں کیونکہ اللہ کو ماننے والے تو یہود ونصاریٰ بھی ہیں۔جن کے متعلق اللہ پاک کا فرمان ہے کہ وہ کبھی کسی مومن کے دوست نہیں ہوسکتے۔

دیوانگی، عشق، ایمان

دیوانگی اگر حلال وحرام میں امتیاز ملحوظِ خاطر رکھے تو وہ عشق ہے لیکن ایسی کیفیت جو انسان کو انسانیت کے درجے سے گرا کر حیوانیت کی سطح پر لے آئے تو وہ پھر عشق نہیں رہتا بلکہ وہ تو حیوانیت بن جاتی ہے جس کا مظاہرہ سور سمیت بہت سے جانور ہمہ وقت کرنے کے لیے تیار رہتے ہیں۔ جو کیفیت انسان سے شعور چھین لے انسان سے فہم وادراک نوچ لے انسان سے اُس کے انسان ہونے کا شرف جاتا رہے تو پھر نہ ایمان رہا اور نہ اسکا کوئی پاس۔ خالق نے انسان کو جس صورتحال سے دوچار کرنا ہوتا ہے اُس کے لیے اُس کو اُس طرح کے ماحول کے لیے ہمت عطا فرما دیتا ہے لیکن یہ سب کچھ تو تب ہوتا ہے جب انسان کے اندر ایمان کی کوئی رتی باقی ہو۔ اگر انسان کے اندر ایمان نہ رہا ہو تو پھر رب سے رحمت مانگنا عجب نہیں ہوگا کہ جس خالق کو مانا ہی نہیں جا رہا ہو اُس سے پھر اپنے لیے کیسی مدد مانگی جائے۔ خالق تو انتظار میں ہوتا ہے کہ کب اُس سے مانگا جائے اور وہ عطا فرما دے۔ جس طرح پھول اُس وقت تک مہکتا رہتا ہے جب تک اُسے روشنی پانی ملتا رہے ایمان بھی اُس وقت تک انسان کے اندر حلول رہتا ہے جب تک انسان خود کو انسان سمجھے اور انسان ہونے کے مرتبے پر فائز رہے۔ جب انسان اپنے خالق کو بھلا کر خود کو حیات وممات کے تمام مسلمہ اصولوں سے بالا دست سمجھ لیتا ہے تو پھر آگہی وادراک انسان سے روٹھ جاتا ہے۔ محبت اُنس

کے جذبے، نفرت اور لالچ کی گرداب میں پھنس جاتے ہیں۔ اِن حالات میں فہم وفراست کا انسان کے دماغ میں سے گزر بند ہوجاتا ہے۔ ایمان انسان کو جذبہ عطا کرتا ہے ایمان انسان کو اتنا مضبوط بنادیتا ہے کہ پہاڑ اُس کی ہیبت سے رائی بن جاتا ہے۔ صحرا و دریا اُس کے سامنے نہیں ٹھہرتے۔ رب پر بھروسہ عشق کی ایسی سیڑھی پر انسان کو گامزن کرتا ہے کہ دنیاوی لالچ دنیاوی رکھ رکھاؤ دنیا کی شان وشوکت انسان کے پاؤں کی ٹھوکر پہ ہوتے ہیں۔ پھر اویس کرنیؓ، بلال حبشی، سلمان فارسیؓ سلطان صلاح الدین ایوبیؒ، عبدالقادر جیلانیؒ، سائیں سُچل سرمست، بابا فریدؒ، داتا علی ہجویریؒ، سلطان باہوؒ، حضرت میاں میرؒ، حضرت میاں وڈا صاحبؒ، بابا بلھے شاہؒ، شاہ حسینؒ بنتے دیر نہیں لگتی۔ بس خالق کی عطا ہوتی ہے وہ جب جب چاہتا ہے تب تب عطا کرتا چلا جاتا ہے۔ اِس کے لیے اُس نے کونسا کسی سے اجازت لینی ہوتی ہے۔ وہ تو قادرِ مطلق ہے۔ سراپا محبت، وہی وقت ہے وہی خوشبو ہے وہی دن ہے وہی رات ہے وہ ہر ہر رنگ میں ہے۔ وہ ہر ہر لمحے میں ہے۔ اُس کی لاپروائی کی کوئی حد نہیں۔ اُس کا کوئی ہم سر نہیں۔ اُس جیسا کوئی بھی تو نہیں۔ انسانی تمدن کی ہزاروں سالوں کی تاریخ بتاتی ہے کہ چاند ستارے موسم دن رات سب کچھ تو ایک معین نظام کے تحت جاری وساری ہے۔ کون ہے جو اُس کی طاقت کو للکار سکے کون ہے جس کی زندگی رب کے طفیل نہ ہو ہر کوئی تو محتاج ہے سورج ہے تو محتاج، زمین ہے تو محتاج۔ چاند بھی اپنی مرضی نہیں کرسکتا۔ لیکن جب ہم عشق ومحبت اور ایمان کی کسوٹی کے حوالے سے جائزہ لیں تو ایک بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہوجاتی ہے کہ خالق کو بھی کسی سے عشق ہے خالق بھی کسی کو محبوب رکھتا ہے حتیٰ کے خالق کا یہ فرمان کہ میں نے اے محبوب ﷺ اگر آپ ﷺ پیدا نہ کرتا تو یہ کائنات پیدا نہ کرتا حتیٰ کہ اپنے رب ہونے کا اظہار نہ

کرتا۔ ذرا رُکیے خالق اور مخلوق کی محبت کس رنگ میں کہ خالق اپنے محبوب کے لیے چاند کے ٹکرے فرما رہا ہے۔ خالق اپنے محبوب ﷺ کو کہہ رہا کہ وہ ہاتھ جس سے بیتِ رضوان لی تھی وہ ہاتھ ائے میرئے محبوب ﷺ آپکا نہیں میرا ہاتھ تھا۔ یہ ہے وہ عشق جو خالق اپنے محبوب کی ہستی سے فرما رہا ہے اور اپنے محبوب کے ناز اُٹھا رہا ہے۔ ہے کوئی دنیا میں کوئی ایسی شخصیت جو خالق کو سب سے زیادہ محبوب ہو تو وہ صرف نبی پاک ﷺ کی ہی ہستی ہے۔ گویا عشق کا ایمان کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔ ایمان انسان کو وحشت سے دور رکھتا ہے۔ بندئے کا اپنے رب سے تعلق بہار کی طرح کا ہوتا ہے پھول جب تک بہار کے مزئے لوٹ رہا ہوتا ہے وہ مہکتا رہتا ہے جیسے ہی خزاں وارد ہوتی ہے پھول کی پتیاں بکھر جاتی ہیں۔ انسان جب تک اپنے رب سے امید باندھے رکھتا ہے تب تک اُس کے من کی دنیا آباد رہتی ہے جیسے ہی وہ اپنے رب سے ناامید ہوتا ہے اور یاسیت اُس سے روحانی قوت چھین لیتی ہے جس لمحے بھی بندئے کے دل میں یہ بات راسخ ہو جاتی ہے کہ اُس کا یہ کام نہیں ہونا تو گویا وہ اپنے رب کی ربوبیت کو غیر ارادی طور پر ماننے سے انکاری ہو جاتا ہے یوں پھر امید کی کمزوری اُس کے ایمان کو اعتقاد کو اُسکے یقین کو کھوکھلا کر دیتی ہے۔ وہ پھر رب کی رحمتوں کے ہالے سے نکل کر وسوسوں کے جال میں پھنس جاتا ہے بلکل اِسی طرح جیسے مکڑا جال میں پھنسا ہوتا ہے۔ نہ تو امید بَر آتی ہے اور نہ وسوسے چین لینے دیتے ہیں۔ عبادت گاہوں میں خاص اہتمام ہوتا ہے کیا رب کا صرف وہیں قیام ہوتا ہے گھر میں بازار میں دفتر میں کیا ایمان کا کام نہیں ہوتا ہے یونہی مذہب کا نام لے لے کے عقیدتوں کا دم بھر بھر کے عبادت کی رسم ادا ہوتی ہے۔

❁❁❁

درد کی دولت، فقر کی بادشاہت

درد کی دولت ایسی شے ہے کہ بادشاہ اِس سے محروم اور فقیر اِس سے مالا مال ہوتا ہے۔ دنیا حاصل کر کے بادشاہ بن جانا اور بات ہے اور دنیا میں رہ کر اپنے رب کی رضا اور بات ہے۔ بہار کی آمد کے ساتھ ہی پھولوں کی مسکراہٹ ہر جاء مہکتی نظر آتی ہے وہ پودے جنہوں نے پھولوں کو جنم دیا ہوتا ہے وہ اپنی خوش بختی پہ نازاں دیکھائی دیتے ہیں کہ اُن کے وجود کے حصے سے چمن کو نئی زندگی کا ساسماں میسر آیا ہے۔ اِسی طرح بہار پہ جب خزاں حاوی ہو جاتی ہے تو پودے پھول مسکرانا بھول جاتے ہیں۔ درختوں کی شاخوں کی رنگت سبز نہیں رہتی بلکہ پیلی ہو جاتی ہے اور پتے اور اُس کی شاخیں اپنا وجود کھونا شروع کر دیتے ہیں۔ حالانکہ درختوں کو، پودوں کو، پھولوں کو یہ پتہ ہوتا ہے کہ اِس خزاں رُت نے بھی آخر جانا ہے اور تازگی سے بھرپور بہار نے آنا ہے لیکن کچھ پودے درخت پھول اتنا انتظار نہیں کر پاتے شاید اُن کی جبلت میں یہ بات رکھ دی ہوتی ہے کہ اب اُن کا جانا ٹھہر گیا ہے اور جو موسم کی سختیوں اور خزاں کے سوکھے پن کا مقابلہ کرنے کی سعی کرتے ہیں اُن کے اندر پھر سے تازگی کی روح پھونک دی جاتی ہے۔ خالق نے تو ہر ہر شے ہر ہر مخلوق کا خیال رکھنا ہوتا ہے۔ یہ ہی حال ایک عام انسان اور صوفی کا ہوتا ہے صوفی ہر حال میں اپنے رب کی رحمتوں پر شاکر رہتا ہے اور ہر سختی کو اُسکی رضا گردانتا ہے جبکہ عام انسان اونچ نیچ کے سبب جو سختیاں راستے میں

آتی ہیں اُن سختیوں کو پہاڑ بنالیتا ہے۔ وفا کی قندیل شب غم کو روشنی دیتی ہے محبتوں کی خیرات نہیں آگہی دیتی ہے جو راہِ عشق میں بھٹک گیا اُسے کیا خبر زوال کیا ہے وفا کے پھول کی پتیوں نے خود کو ہر حال میں خوشبو کے لیے قائم رکھنا ہوتا ہے بکھرتے وقت بھی پتیوں نے خوشبو کا بھرم رکھنا ہوتا ہے صوفی کے لیے اپنے وجود کو قائم رکھنا اہم نہیں ہوتا اُس کے لیے تو اہم اپنے رب کی رضا ہے۔ دن ڈھلتے رہے ہیں چند ساعتوں کی آہ سانس ٹوٹنے کی صدا گلاب پھولوں پہ زرد رنگ کا سایہ حادثے ہوتے رہے ہیں دن ڈھلتے رہے ہیں آنکھوں میں بسے خواب دل کے سمندر میں خواہشوں کی موج روح کا مسکن، تڑپ ہی تڑپ حادثے ہوتے رہے ہیں دن ڈھلتے رہے ہیں کہانی وہی پُرانی آس نہ ٹوٹنے والی محفلوں پہ چھائی مرگ سے خاموشی نرم و نازک احساسات کا جنم بے ربط جذبوں کی روانی حادثے ہوتے رہے ہیں دن ڈھلتے رہے ہیں مسافر کا سفرِ ناتمام تمام ہوا ہے نئے سفر نئے مسافر راہیں وہی پرانی تقدیر سے سمجھوتے کی کہانی نئے کہکشاں منتظر نئے مہمان نئے میزبان حادثے ہوتے رہے ہیں دن ڈھلتے رہے ہیں۔ اسلام کا قلعہ۔ اور اِس میں بسنے والوں کی حالت۔ حلال و حرام کی تمیز ختم۔ ہوس کی دوڑ ایسی کہ رُکنے کا نام نہیں لے پا رہی۔ جو کچھ بالائی طبقہ کرتا ہے وہ کچھ پھر معاشرے کا نچلا طبقہ کرنا شروع کر دیتا ہے۔ گویا حکمرانوں کی نقالی عوام اپنے اوپر فرض کر لیتی ہے۔ زنا شراب جوا عروج پر۔ بد یانتی اتنی کہ جس جس کی جو ذمہ داری ہے وہ اُسے پورا نہیں کر رہا۔ حتیٰ کے گدھے کا گوشت کتے کا گوشت تک کھلایا جا رہا ہے۔ جب رشوت عام ہوگی سفارش کے بغیر کوئی کام نہیں ہوگا تو پھر حالات نے تو ایسے ہی ہونا ہے کہ ہر شعبے میں لوٹ سیل لگی ہوئی ہے۔ بوڑھوں کے لیے اولڈ ہوم کھل گئے ہیں۔ طلاقوں کی شرح اتنی زیادہ کے خدا کی پناہ۔ اِس لیے لاکھوں جانیں قربان

ہوئیں ۔ اِس لیے بچے یتیم ہوئے اِس لیے عصمتیں لُٹیں ۔ نبی پاک ﷺ کے حکم پر بننے والے اسلام کے قلعے کا حلیہ ایسا بنا دیا گیا ہے کہ ہر طرف شر ہی شر۔ دیانت شرافت، ایمان دار غائب۔ قتل وغارت عروج پر۔ گلی محلے میں پھرنے والے آوارہ کتے جن کا کام صرف بھونکنا ہی ہوتا ہے لیکن وہ بھی اُس شخص کا خیال رکھتے ہیں جو اُن کو پیار سے چمکارتا ہے جو کچھ کھانے کے لیے کبھی کبھار پھینک دیتا ہے ہمارے ملک میں سیاستدان سارے نہیں شائد کچھ ایسے نہ بھی ہوں لیکن اکثر الیکشن کے بعد عوام کو شودر سمجھتے ہیں اور فرعون کے منصب پر فائز ہو جاتے ہیں ائے میرے رب پاکستان کو اِس طرح کے سیاستدانوں سے نجات دئے دئے ۔غربت میں اپنوں کے بھی مزاج بدل جاتے ہیں رشتے تو وہی ہوتے ہیں مگر رواج بدل جاتے ہیں شب، شب ظلمت کا روپ دھار لیتی ہے سحر بے نور ہو جاتی ہے وفاء کے کھیل میں جب دولت آ جائے تو پھر وفا اور جفا کے انداز بدل جاتے ہیں عشق کے رستے پہ چلنا دشوار لگتا ہے دوستی کے معیار بدل جاتے ہیں دولت کا جادو اتنا سر چڑھ کے بولتا ہے۔ائے میرے رب تمام خطا کاروں کی یہ التجا سن لے۔ جفا کے اندھیروں میں وفا کے دیپ جلانا ہے خاکستر ہونا اور پھر خود کو مٹانا ہے روح کی تازگی کھوئی ہے مدتوں سے چارہ گر کو یہ دکھ بتانا ہے آوارگی نے جو مزاج بدلا ہے اُسے راہِ سخن پہ لانا ہے شنوائی کا امتحان بڑا صبر آزماء ہے خود بھی رونا اور اُسے بھی رُلانا ہے ۔در سے آشنائی کچھ پا کر نہیں کچھ کھو کر ہوتی ہے۔ جسے ہم کھونا سمجھتے ہیں وہ پانا ہوتا ہے جسے پا کر ہم نہا ہو رہے ہوتے ہیں وہی تو سب کچھ کھونا ہوتا ہے۔درد لالچ ، بے سکونی، کی موت اور بے نیازی کی دولت کا نام ہے کہ بندہ بھی اپنے خالق کے طرح بے نیاز ہو جاتا ہے۔وہ مادیت سے دور اور روحانیت سے قریب ہو جاتا ہے۔

بندہِ خاکی کی فطرت

زندگی کی افایت مادیت میں نہیں روحانیت میں ہے خالق نے اپنے بندے کو فطرت پہ پیدا کیا ہے۔ جو شے فطری تقاضوں کے خلاف ہے وہ انسان کی بھلائی کے لیے نہیں ہوسکتی۔ بندے اور رب کے درمیان تعلق خالق اور مخلوق والا ہے۔ انسان کی جبلت میں ہے کہ وہ گھاٹے کا سودا گر ہے اور ایک بات یہ بھی کہ بُرائی میں انسان کے لیے کشش ہے۔ خالق نے انسان کو پیدا کیا اور پھر اُس کی تربیت کے لیے لاتعداد انبیاء ورُسل بھیجے۔ مقصد واضع تھا کہ انسان کو عقلِ سلیم سے نوازا گیا ہے اور اِسی وجہ سے انسان کو حیوانوں پہ برتری حاصل ہے۔ جب بندے نے اپنے انسان ہونے کا بھرم ہی نہیں رکھنا تو پھر اُس کا مقصدِ حیات تو کچھ بھی نہیں رہتا ہے۔

انبیاء اکرامؑ نے اپنی اپنی بساط جو کہ رب نے عطا کی ہوئی تھی اُس کے مطابق اپنا مشن جاری رکھا اور انسان کو توحید کی لگن پیدا کرنے کے لیے بہت ہی زیادہ تگ وتاز کی۔ مصیبتیں جھیلیں، زخم کھائے۔ چونکہ نبیؑ کا ایک ایک عمل رب کی عطا سے ہوتا ہے اِس لیے انسانی معاشرے کو ارتقاء کے سفر میں رب نے گامزن رکھا۔ آدمؑ سے شروع ہونے والا انسان کا سفر صدیوں سے جاری ہے۔ بے شمار لوگ پیدا ہوئے اور وفات بھی پا گئے۔ کئی تہذیبوں نے جنم لیا اور پھر زمانے کی گرداب تلے مٹ

گئیں حضرت ابراہیمؑ، حضرتِ اسماعیلؑ نے توحید کے پرچم کو خالق کی عطا سے تھامے رکھا۔ حضرت موسیٰؑ، حضرت داودؑ، حضرت عیسیٰؑ سمیت کم وبیش ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر معبوث کیے گئے۔ پیغمبر بنانے کے لیے رب پاک کا اپنا ہی طریقہ کار تھا جس کے لیے صرف اللہ پاک کو ہی پتہ تھا کہ کس کس کی نامزدگی ہوگی۔ اللہ پاک اپنی ربوبیت کے رنگ بندے کے ذریعے دکھاتا رہا اور یوں کہانی نبی پاک ﷺ پر آ کر ختم ہوگی۔ دعوت دین کا سلسلہ اختتام کو پہنچا۔ نبی پاک ﷺ کو تمام انبیاء اکرام کا سردار مقرر فرما دیا گیا اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر تو نبی پاک ﷺ بھی عام نبیوںؑ جیسے تھے تو پھر نبی پاک ﷺ کو تمام انبیاء کا سردار کیوں بنایا گیا۔ اور پھر نبی پاک ﷺ کو رحمت عالم ﷺ بھی بنایا گیا۔ اِس لیے کہ نبی پاک ﷺ کی بطور آخری پیغمبر تشریف آوری اِس بات کی دلالت ہے کہ اِن جیسا نہ تو کوئی ہے اور نہ ہی کوئی آیا ہے اور نہ ہی کبھی آئے گا۔ گویا سارے زمانوں کی مخلوق میں سے آپ ﷺ کو سب سے اعلیٰ وارفع مقام عطا فرمایا گیا۔

آپ ﷺ کو آخری کتاب قرانِ مجید سے نوازا گیا۔ آپ ﷺ کو معراج کا سفر نصیب ہوا آپ ﷺ نے بیت المقدس میں تمام انبیاء اکرامؑ کی امامت فرمائی۔ چالیس سال کی عمر مبارک میں آپ ﷺ کو نبوت سے نوازا گیا۔ اور پھر دنیا نے دیکھا کہ عرب کے بدو پوری دنیا کے مہذب ترین انسان بن گے۔ صدیوں تک ایک دوسرے سے لڑنے جھگڑنے والے آپس میں بھائی بھائی بن گئے۔ چشمِ عالم نے پھر یہ بھی دیکھا کہ بلال حبشیؓ، غلام ہونے کے باوجود کیسا رتبہ پا گیا۔ اویس قرنیؓ سلمان فارسیؓ جیسے خدمت گزاروں کو بلند ترین مراتب سے نوازا گیا۔ یہ ساری تمہید

اِس لیے باندھی گئی کہ نبوت کے سلسلے کے شروع ہونے سے لے کر نبوت کے سلسلے کے ختم ہونے تک کہیں بھی مادیت کی پذیرائی نظر نہیں آتی۔ مادیت کا حصول بُرا نہیں لیکن حد سے تجاوز کرنا، احسن قدم نہیں۔ مادہ پرستی کی وجہ سے لالچ، جھوٹ، انا پرستی نے بہت نشوونماء پائی لیکن وہ سبق جو انبیاء اکرامؑ نے دیا تھا اُس کو بھلا دیا گیا۔ نتیجتاً سچائی کو چھوٹی جگہ ملی۔ اِس کا مطلب یہ نہیں کہ سچ کم تر ہے ایسا نہیں ہے۔ ساری گفتگو کا نچوڑ یہ ہی نکلتا ہے کہ افادیت رب کی اطاعت میں ہے۔ روحانیت میں ہے۔ روپے کے حصول کے لیے کوشش کرنی چاہیے لیکن جائز طریقے سے۔ جائز کا مطلب یہ ہے کہ جس سے کسی کو نقصان نہ ہو۔ نبی پاک ﷺ کی ظاہری حیات کے تریسٹھ برس اِس بات کے گواہ ہیں کہ کبھی بھی مادیت کی ترغیب نہیں فرمائی۔ ہمیشہ زور اللہ پاک کی خوشنودی پر ہی رہا اور مسلمان جانتا ہے کہ اللہ پاک کی خوشنودی کیسے حاصل ہوتی ہے۔

❁❁❁

عظمتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کائنات میں رب پاک نے سب سے اونچا مقام انبیاء اکرامؑ اور رسولوںؑ کو عطا فرمایا ہے۔ اِس لیے اگر کوئی آقا کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرح کا ہوسکتا تو وہ انبیاءؑ اور رسولوںؑ میں سے ہوتا۔ قران مجید کے تیسرے پارہ کی پہلی آیت ہے کہ بعضوں کو بعضوں پہ فضیلت دی ہے۔ آقا کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان کو سب پر برتری حاصل ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ نسلِ آدم کا سردار میں ہوں۔ صحیح مسلم میں مروی ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ جب میں معراج کی رات بیت المقدس پہنچا تو نماز کا وقت ہوگیا تو میں نے تمام انبیاء کی امامت فرمائی۔ ترمذی کی حدیث ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو میں امام ہوں گا۔ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کُل مخلوق میں سب سے افضل میں ہوں۔

حدیث پاک میں ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ روز قیامت سب سے پہلے مجھے قبرِ انور سے لایا جائے گا۔ سب کی زبانیں بند ہوں گی لیکن میں خطیب ہوں گا۔ قیامت کے دن تمام انسان موجود ہوں گے اور اللہ پاک جنت کی چابیاں نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دے گا۔ حدیث پاک میں ہے کہ قیامت کے دن ایک ہزار فرشتے

نبی پاک ﷺ کا طواف کریں گے۔ایک حدیث کے مطابق طواف کرنے والے فرشتوں کی تعداد ستر ہزار ہوگی۔حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ جبرائیل امین نے نبی پاک کی خدمتِ اقدس میں فرمایا کہ میں نے زمین کا کونا کونا چھان مارا۔لیکن آپ جیسی عزت کا حامل کوئی اور نہیں اور آپؐ کے گھرانے بنو ہاشم جیسا کوئی گھرانہ نہیں۔حدیث پاک میں مزکور ہے کہ نبی پاک نے فرمایا کہ اللہ پاک نے تمام انبیاء اکرامؑ اور تمام آسمانی مخلوق پر مجھے فضیلت دی ہے۔حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی پاک ﷺ کی حدیث ہے کہ کُل اولادِ آدم میں پانچ انبیاء اکرام کا مقام سب سے اونچا ہے جن میں حضرت نوحؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت عیسیٰؑ اور حضرت محمد ﷺ ہیں اور حضرت محمد ﷺ سب سے عظیم ہیں۔رسالت کُل 313 رسولوںؑ کو دی گئی۔آپ ﷺ کو نبوت اُس وقت عطا فرمائی گئی جب تک ابھی کائنات میں بشر کی ابتداء نہیں ہوئی تھی۔حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ صحابہ اکرامؓ نے آپ ﷺ سے پوچھا کہ آپ ﷺ نبوت پر کب فائز ہوئے تھے۔تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں اُس وقت بھی نبی تھا جب آدم کا ابھی خمیر نہیں بنا تھا۔

اِس حدیث پاک کو ترمذیؒ، امام احمد بن حنبلؒ، امام حاکم، طبرانیؒ و دیگر نے بیان کیا ہے۔اِس حدیث کی تائید حافظ ابن کثیر نے بھی کی ہے۔اِس حوالے سے ناقدین جو کہ میلاد نبی ﷺ کے ازلی دشمن ہیں وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے علم میں تھا کہ نبی پاک ﷺ نبی ہیں۔اِس کا جواب تو یہ ہے کہ اللہ کے علم میں تو ہر نبیؑ تھا۔حضرت عمرؓ سے مروی ہے اور اِس کا امام سیوطیؒ نے بھی ذکر کیا ہے۔کہ آقا ﷺ جیسا کوئی نہیں۔ہر

نبی کو نبوت ملی پیدا ہونے کے بعد لیکن رسول ﷺ اُس وقت بھی نبی تھے جب انسان تخلیق نہ ہوا تھا۔ جب انبیا اکرامؑ کو بھیجا گیا تو ایک قوم یا ایک شہر کی مخلوق کے لیے بھیجا گیا لیکن نبی پاک ﷺ کو ساری کائنات کے لیے نبی ﷺ بنایا گیا۔ بخاری و مسلم کی حدیث ہے کہ نبی پاک ﷺ کو ساری مخلوق ملائکہ، حیوانات، انسان سب کے لیے نبی ﷺ بنا کر بھیجا گیا۔ سب نبی پاک ﷺ کے غلام ہیں۔ حیوان اور پتھر تک آپ ﷺ کو سجدہ کرتے۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے وفور جذب میں عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ مجھے بھی سجد کرنے کی اجازت دیں لیکن آپ ﷺ نے فرمایا دین اِس بات کی اجازت نہیں دیتا۔ آپ ﷺ اولیت میں بھی بے مثال اور آخریت میں بھی بے مثال ہیں آپ کو آخری نبی بنا کر بھیجا گیا۔۔ آپ ﷺ کو علم میں بھی بے مثال رکھا گیا جو وسعتِ علم آپ ﷺ کو عطا فرمائی گئی وہ کسی اور کو نہیں۔ حضرت انس بن مالکؓ روایت فرماتے ہیں کہ ایک دن آقا کریم ﷺ نے نماز ظہر پڑھائی اور آپ ﷺ منبر پر کھڑے ہوئے اور قیامت تک جو کچھ ہونے والا تھا وہ بیان فرما دیا۔ حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ نبی پاک ﷺ نے کائنات کی ابتداء سے لے کر انتہا تک جنتیوں کا جنت میں جانا اور دوزخیوں کا دوزخ میں جانا قیامت تک کی تفصیل بیان فرمائی۔ یہ سب کچھ تو قران میں نہیں تھا آقا کریم ﷺ کا علم صرف قران ہی نہ ہے بلکہ آپ ﷺ پر وحی آتی تھی۔

آپ ﷺ کے علم پر طعنہ زنی کی خبر آپ ﷺ تک پہنچی تو آپ ﷺ جلال میں آ گئے آپ ﷺ نے فرمایا مجھ سے جو کچھ پوچھنا ہے پوچھ لو۔ میں یہاں کھڑے کھڑے سب کچھ بتا دوں گا۔ لوگ اِس کیفیت میں رونے لگ گئے۔ اِس

کیفیت میں ایک شخص کھڑا ہوا اُس نے کہا یارسول اللہ ﷺ میرا ٹھکانہ کیا ہوگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا تو دوزخ میں جائے گا۔ نبی پاک ﷺ مرنے کے بعد کے حالات بھی جانتے تھے۔عبداللہ بن حذیفہ کولوگ تنگ کرتے تھے کہ تمھارا حقیقی والد کون ہے۔ اُنھوں نے سوال کیا کہ حضور میرا حقیقی والد کون ہے آپ ﷺ نے ارشادفرمادیا کہ حذیفہؓ ہی تمھارا والد ہے۔ایک شخص نے عرض کی کہ کہ میرا باپ کون ہے۔تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم حرام زادے ہو۔اُس دور میں بدکاری عام تھی۔ نبی پاک ﷺ جلوتوں خلوتوں رات کے اندھیروں کا علم بھی رکھتے۔ نبی پاک ﷺ کو کامل علم ہے۔آپ ﷺ کوحسب نسب اور مرنے کے بعد کے ٹھکانے کا بھی علم ہے۔اِس دوران شدت جذبات سے حضرت عمر فاروقؓ گھٹنوں کے بل جھک گئے اورعرض کی کہ آقا ﷺ مجھے معاف فرمادیں۔حضرت عمرؓ نے آقا ﷺ کے پاؤں کا بوسہ لیا۔اِس بات کوحافظ ابن کثیر نے بھی تحریر فرمایا ہے۔

حضرت اویس قرنیؓ

عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھا جن کا امام

کائنات بنانے کا سبب یہ ہی تھا کہ اللہ پاک اپنے محبوب نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہستی کو اِس کائنات میں مبعوث کرنا چاہتا تھا۔ اِسی لیے تو اللہ پاک حدیث قدسی کے مطابق فرماتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیدا نہ کرتا تو زمین و آسمان پیدا نہ کرتا۔ اگر میں آپ کو پیدا نہ کرتا تو اپنے رب ہونے کا اظہار نہ کرتا۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ظہور کی خاطر ہی رب پاک نے خود کا اظہار کیا اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وجہ سے ہی رب پاک نے ساری کائنات کو تخلیق کیا۔ اِس لیے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُس وقت بھی نبیؐ تھا جب آدم ابھی آب وگل میں تھے۔ تخلیق کائنات کا سبب بننے والی عظیم ہستی جس کے پاس جنت کی کنجی ہے وہ ہستی جو صرف انسانوں کے لیے نہیں بلکہ کائنات میں موجود ہر طرح کی مخلوق چرند پرند جانور سب کے لیے پیغمبر اعظم و آخر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ حتی کہ پتھر اور درخت بھی آپ کو سلام کرتے ہیں۔ اِس لیے یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ انسان کو تخلیق ہی اِس لیے کیا گیا کہ اِس کائنات کی جان اِس جہاں کی روح نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ اِس لیے کائنات کا نظام ہی جاری وساری ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحمت کا وجود ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ظاہری طور پر پردہ فرمانے کے باوجود بھی اُس طرح اُمت کے غمخوار ہیں اُسی طرح رحمتِ کل جہان ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تصرفات اُسی طرح جاری وساری ہیں جس طرح ظاہری حیات میں تھے۔ اِسی لیے تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کائنات کی جان کہا گیا

ہے۔ اللہ پاک کو ایک مانے جانے کا نقطہ عروج ہی نبی پاک ﷺ کو ماننا اور تسلیم کرنا۔ عشق رسول ﷺ کے حوالے سے جب بھی مختلف ہستیوں کا ذکر ہوتا ہے تو جناب اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقام بہت اونچا ہے۔ آپؓ جلیل القدر تابعین اور چالیس پیشواؤں میں سے ہیں۔ نبی پاک ﷺ کا فرمانِ عالی شان ہے کہ اویسؓ احسان اور مہربانی کے اعتبار سے بہترین سے بہترین تابعین اور چالیس پیشواؤں میں سے ہیں۔ جس ہستی کی تعریف نبی پاک ﷺ فرما دیں اُس ہستی کی کوئی اور کون تعریف کر سکتا ہے۔ اویس قرنیؓ کے علاقے یمن کی طرف رخ انور کر کے فرمایا کرتے تھے کہ میں یمن سے رحمت کی ہوا آتی ہوئی پاتا ہوں۔ عشق رسول ﷺ کی لو جسے لگ جائے اُس کے بلند مرتبہ و بلند مقام کے متعلق کیا کہا جا سکتا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن ستر ہزار ملائکہ کے آگے جو اویس قرنیؓ کی مانند ہوں گے اویسؓ کو جنت میں داخل کیا جائے گا۔ تاکہ مخلوق ان کو شناخت نہ کر سکے سوائے اِس شخص کے جس کو اللہ ان کے دیدار سے مشرف کرنا چاہے۔ ایسا اِس لیے کہ آپؓ نے خلوت نشین ہو کر اور مخلوق سے روپوشی اختیار کر کے محض اِس لیے عبادت و ریاضت اختیار کی کہ دنیا آپؓ کو برگزیدہ تصور نہ کرے اور اِسی مصلحت کے پیشِ نظر آپؓ کی پرداہ داری قائم رکھی جائے گی۔

عاشق رسول ﷺ پر نبی پاک ﷺ کی رحمتوں کی بارش کا اندازہ کریں کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ میری اُمت میں ایک ایسا شخص ہے جس کی شفاعت سے قبیلہ ربیعہ و مضر کی بھیڑوں کے بال کے برابر گناہگاروں کو بخش دیا جائے گا۔ ربیعہ و مضر دو قبیلے ہیں جن میں بکثرت بھیڑیں پائی جاتی تھیں۔ جب صحابہ اکرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین نے نبی پاک ﷺ سے عرض کی کہ وہ کون شخص ہے اور کہاں مقیم ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کا ایک بندہ ہے۔ پھر صحابہ اکرامؓ کے

اصرار کے بعد فرمایا کہ وہ اویس قرنی رضی اللہ تعالی عنہ ہے۔ جب صحابہ اکرام اجمعینؓ نے نبی پاک ﷺ سے دریافت کیا کہ کیا وہ کبھی آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کبھی نہیں لیکن چشم ظاہری کی بجائے چشم باطنی سے اِس کو میرے دیدار کی سعادت حاصل ہے۔ اور مجھ تک نہ پہنچنے کی دو وجوہات ہیں اول غلبہ حال۔ دوم تعظیم شریعت کیونکہ اِس کی والدہ مومنہ بھی ہیں۔ اور ضعیف و نابینا بھی اور اویس قرنیؓ شتر بانی کے ذریعہ اِن کے لیے معاش حاصل کرتا ہے۔ پھر جب صحابہ اکرامؓ نے پوچھا کہ کیا ہم ان سے شرف نیاز حاصل کر سکتے ہیں۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ نہیں البتہ عمرؓ وعلیؓ سے ان کی ملاقات ہوگی اور ان کی شناخت یہ ہے کہ پورے جسم پر بال ہیں اور ہتھیلی کے بائیں پہلو ایک درہم کے برابر سفید رنگ کا داغ ہیے لیکن وہ برص کا داغ نہیں۔ لہذا جب اُن سے ملاقات ہو تو میرا سلام پہنچانے کے بعد میری اُمت کے لیے دُعا کرنے کا پیغام بھی دینا۔ پھر جب صحابہ اکرامؓ نے عرض کی کہ آپ ﷺ کے پیراہن کا حقدار کون ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا اویس قرنیؓ۔ اللہ پاک ہمیں اویس قرنیؓ جیسا باعمل عاشق رسول ﷺ بنائے۔ ہے دُنیا میں ایسی مثال کہ غزوہ اُحد میں نبی پاک ﷺ کے دندان مبارک شھید ہونے کی صورت میں اویس قرنیؓ نے اپنے دانت شہید کر لیے۔ بقول مُرشد جلال الدین رومیؒ۔ جسم خاک از عشق بر افلاک شُد۔ کوہ در رقص آمد و چالاک شُد۔ یعنی خاکی جسم عشق کی وجہ سے آسمانوں پر جا پہنچا، پہاڑ ناچنے لگا اور ہوشیار ہو گیا۔ اے کاش ہم جو نبی پاک ﷺ سے عشق کا دعوی کرتے ہیں عشق بھری یہ عقیدت اطاعت میں ڈھل جائے۔

احساسِ عبدیت

جب بندہ اہتمام کے ساتھ اپنے خالق و مالک کی بارگاہ میں پیش ہوتا ہے اور اپنے دُکھوں کا بوجھ خالق کے دربار میں عرض کی صورت میں رکھتا ہے تب خالق اپنے بندے کی عاجزی اور انکساری کو بہت پسند کرتا ہے اور بندے کے دکھوں کا مداوا کرتا ہے۔رب پاک اور بندے کا تعلق اسی طرح ہے جس طرح ایک بے حس و حرکت تصویر کو بنانے والا جیسے مرضی رنگ بھر دے اور اِن رنگوں کی بدولت وہ تصویر ایک خوبصورت نظر آنے لگے۔اب مصور اور تصویر کا جو تعلق ہوتا ہے وہ خالق اور مخلوق والا ہے۔انسان کی پیدائش سے موت تک کے تمام تر حالات و واقعات اِس بات کے شاہد ہیں کہ انسان کی حیثیت کیا ہے۔محبت کے ساتھ نفرت بھی انسان کی جبلت میں ہے۔چاہے جانے کا جذبہ انسان سے نیکیاں بھی کرواتا ہے اور انسان کو بدی کی طرف بھی لے جاتا ہے۔بندے کی ساری تگ و دو ایک ایسے ٹائم فریم کے اندر ہے جس کے متعلق کچھ بھی حتمی نہیں۔اگر ایک جہاز لاہور سے پرواز کرتا ہے اور اُسے ساوتھ افریقہ جانا ہے۔اب راستے میں تو کچھ بھی ہوسکتا ہے۔کوئی بھی انہونی ہوسکتی ہے۔یہ ہی انہونی یا Probability کا جو فیکٹر ہے یہ ہی خالق کے وجود کی گواہی دیتا ہے اور خالق کے ہونے کی دلالت کرتا ہے۔سفر منزل کی جانب جب شروع ہو اور سفر کرنے

والے کو منزل تک پہنچنے کی بے یقینی ہو تو درحقیقت یہ بے یقینی رب پاک پر حق الیقین ہے خالق کے معبود ہونے کی پہچان ہر اُس عمل سے ہوتی ہے جو بندے کے ارادوں کے مخالف ہو۔ ذرا تصور فرمایئے اگر انسان دوسرے سے عاجزی اور انکساری سے ملتا ہے اور اُس کے سامنے اپنا دکھ بیان کرتا ہے تو جس کے سامنے یہ سب کچھ کیا جاتا ہے وہ بھی اپنے دل میں نرمی پیدا کر لیتا ہے۔ یہ حال تو ایک دنیا دار شخص کا ہے لیکن خالق کے سامنے جب عجز و انکساری ہو اور خالق اپنے بندئے سے بے پناہ محبت کرتا ہے وہ اپنے بندے کو خالی نہیں لوٹاتا۔ عبد کا اختیار اُسکی عبدیت پر منحصر ہے جیسے جیسے وہ اپنے رب کے رستے پر چلتا ہے ویسے ویسے وہ ایک مقبول عبد کی حیثیت حاصل کر لیتا ہے۔ انبیاء اکرام تو گناہوں سے پاک ہیں وہ بشری لبادے میں رب پاک کے خاص عبد ہیں۔ اُن پر اُس طرح کے قوانین فطرت کا اطلاق نہیں جس طرح ہم پر ہے۔

خالصتاً اپنے خالق کی رضا کو اپنا لینا بندے کو رب کا دوست بنا دیتا ہے۔ خالق اس بندے پر اپنی خاص رحمتوں کا نزول کرتا ہے۔ حتی کے خالق اپنے بندے کے ناز بھی اُٹھاتا ہے۔ بندہِ مومن کی آنکھ خالق کی آنکھ قرار پاتی ہے۔ بندہ مومن کی خواہش کی تکمیل خالق فرما دیتا ہے۔ انسانی رویے کے حوالے سے اگر ناقدانہ جائزہ لیا جائے تو یہاں معاشیات کا ایک مفروضہ جسے لائف سائیکل کا نام دیا گیا ہے جس کے مطابق بچہ جب پیدا ہوتا ہے اور اُس کی حالت ایسی نہیں ہوتی کہ وہ کچھ کماء سکے لیکن اُس کی ذات پر اخراجات کافی آتے ہیں۔ اُس کی خوراک اُس کے لیے میڈیکل کی سہولیات، کپڑئے وغیرہ سب سے بڑھ کر یہ کہ اُسے نگہداشت کے لیے کُل وقتی ایک عدد سہارئے کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ سب کچھ اُس کے لیے ہو رہا

ہوتا ہے اب آیئے اِس نقطے پہ غور کرتے ہیں کہ ایک انسان کے بچے کی نگہداشت کا معاملہ خالق نے ایسے ہی نہیں چھوڑ دیا بلکہ خالق تو جانوروں پرندوں سب کی پرورش پر قادر ہے اور وہ ایسا کرتا ہے۔ اِسی لائف سائیکل مفروضے میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ بچہ جب بڑا ہو جاتا ہے تو اُس وقت وہ اِس قابل ہو جاتا ہے کہ وہ کمائی کرے اور اُس کی اپنی ذات پر اتنا خرچ نہیں ہوتا جتنا وہ کما رہا ہوتا ہے۔ اب اگر ہم خالق کے نظام کو دیکھیں کہ کس طرح ہر ذی روح کو اُس نے ایک دوسرے کے ساتھ جوڑ رکھا ہے۔ اور کائنات کا نظام جاری و ساری ہے بلکل اِسی طرح جیسے اگر کمپیوٹر کا کوئی بھی سافٹ وئیر استعمال کرنا ہو۔ تو کمپیوٹر میں اُس سافٹ ویئر کے ڈرائیورز اپ لوڈ کرنا پڑتے ہیں۔ اِسی طرح رب نے انسانوں کو اِس طرح ایک دوسرے کے ساتھ منسلک کر رکھا ہے کہ وہ ایک دوسرے کے جزو لاینفک گردانے جاتے ہیں۔ متذکرہ بالا معاشی مفروضے کی آخری سٹیج میں اِس بات کا ذکر ملتا ہے کہ انسان بوڑھا ہو جاتا ہے تو پھر سے اُس کے اخراجات بڑھ جاتے ہیں ادویات خوراک وغیرہ لیکن بڑھاپے کی وجہ سے اُس کے اندر کام کرنے کی سکت کم ہو جاتی ہے جس سے اُس کی معاشی استعدادِ کار کمزور ہو جاتی ہے۔ تینوں درجات کا تذکرہ اِس بات کی دلالت کرتا ہے کہ خالق کا اپنے عبد کے لیے ہمیشہ رویہ عطا ہی عطا ہے۔

شہید تحریک پاکستان عظیم روحانی شخصیت

حضرت بابا ولایت شاہ قادری نوشاہیؒ

اس مسلمہ حقیقت سے کون مسلمان انکار کرسکتا ہے۔ کہ اللہ تعالی نے اس کائنات کو ہمارے آقا و مولا حضور پرنور حضرت محمد مصطفی ﷺ کے لیے تخلیق فرمایا ہے۔ اور اہل دنیا کی دنیوی اور آخروی فلاح و بھلائی کے لئے انبیاء کرامؑ کو معبوث فرمایا۔ ہمارے آقا و مولا ختمی مرتبت نبی کریم حضرت محمد مصطفیٰ کریم و روف و رحیم ﷺ جب اس دنیا میں تشریف لائے تو اس پر فتن اور جاہلیت کے دور میں آپ ﷺ کی ذات پاک ایک منارہ نور ثابت ہوئی۔ اسی نور کی کرنوں نے ساری دنیا کو اپنی جلو میں لے لیا۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے تبلیغ اسلام کی غرض سے دور دراز کے علاقوں کو اپنا مسکن بنایا۔ اور آقائے نام دار حضرت محمد مصطفیٰ کریم ﷺ کی آفاقی و سچی تعلیم اور پیغام سے عالم میں پھیلے ہوئے اندھیروں کو اجالوں میں تبدیل کیا۔

انہی مصطفےٰ کریم ﷺ نور کی کرنوں میں حضرت بابا ولایت شاہ قادری نوشاہیؒ سلسلہ عالیہ قادریہ نوشاہیہ کی روشن کڑی کے ایک چمکتے آفتاب ہیں آپ ضلع امرتسر کے نواحی گاؤں کیرتن گڑھ تھاندے میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کی تکمیل اور دینی اور دنیاوی علوم کی تحصیل کے بعد آپ نے شیخ المشائخ خواجہ الحاج خیر شاہؒ سے سلسلہ عالیہ نوشاہیہ میں بیعت کی۔ حضرت بابا ولایت شاہ قادریؒ صاحب خلق عظیم ﷺ کے

اسوہ مبارکہ کی پیروی فرمایا کرتے۔آپؒ غرباء فقراء کی خاص دلجوئی فرماتے اوران کی تکلیف رفع فرمانے پر کمر بستہ رہتے۔کبھی کوئی سوالی آپؒ کی بارگاہ سے دامن مراد خالی لے کر نہ گیا۔آپؒ امراء کو بھی غرباء کی مالی اعانت کی تلقین فرمایا کرتے۔آپؒ صاحب کشف وکرامات تھے آپؒ کی متعدد کرامات میں طے زمان اور ابرو باد و باراں میں تصرف ایسے محیر العقول واقعات شامل ہیں آپؒ کی کرامات کا خاص پہلو اتبات حقائق اور ابطال باطل تھا۔متعدد کرامات کا ظہور ایسے مواقع پر ہوا جب اسلام اور صوفیائے کرام کی حقانیت کو چیلنج کیا گیا۔

پاکستان 14 اگست 1947ء کو دنیا کے نقشے پر جب نمودار ہوا تو تمام باطل قوتیں جن میں ہندو ازم سب سے زیادہ کارفرما تھا اوندھے منہ گر پڑے۔اسلام سچائی ہے،اسلام حق ہے۔اسلام یقین محکم ہے۔باطل،باطل ہے بے شک باطل مٹنے ہی کیلئے ہوتا ہے۔یہ وہی باطل ہے جب نبی کریم ﷺ نے مکہ پاک کو فتح کیا تو تمام کفار کے منصوبے ناکام اور نیست و نابود ہو گئے۔اور تمام چکا چوند روشنیاں ناکام پڑ گئیں اور خورشید اسلام اپنی مکمل آب وتاب سے چمکنے لگا۔علامہ اقبالؒ اور قائداعظمؒ محمد علی جناحؒ جیسی ہستیاں بھی صوفیا کرام اور بزرگان دین سے کم نہیں۔ان کے خوابوں کی تعمیر،جہد مسلسل مشقت،استحکام اور محنت سے ہی ہم آزادی کی نعمتوں سے مالا مال ہوئے۔قیام پاکستان کی بنیاد تو محمد بن قاسمؒ کے دور سے ہی شروع ہو گئی تھی۔پاکستان بنانے میں عظیم قائدؒ اور اقبالؒ کے ہمنشینوں نے جس قدر جانفشانی اور جوانمردی کا مظاہرہ کیا۔وہ جذبہ،حضرت خالد بن ولیدؓ اور حضرت عمر فاروقؓ جیسے عظیم لوگوں کی شخصیتوں کا پرتو ہے۔تحریک پاکستان میں علماء مشائخ،دانشوروں،صوفیاء کرام کا کردار محتاج تعارف نہیں۔انہوں نے لا الہ الا اللہ کا نعرہ حق بلند کیا اور قائداعظمؒ کی

آواز پر لبیک کہا ان صوفیاء اکرام میں جناب عزت مآب حضرت بابا ولایت شاہ قادری نوشاہیؒ کا نام بھی صف اول میں شمار ہوتا ہے۔

حضرت بابا ولایت شاہ قادری نوشاہیؒ خدمت خلق کو بہت زیادہ ملحوظ خاطر رکھتے تھے کوئی بھی سائل آجاتا تو اس کو خدمت خلق نہ صرف معاشی طور پر بلکہ روحانی، معاشرتی اور اخلاقی اقدار کو بھی پروان چڑھاتے تھے۔صوفیائے اکرام نے جس دانش مندی، حوصلے اور عزم صمیم سے اسلام کا بیڑا اٹھایا اس کی مثال آپؒ کی ذات ہے حضرت بابا ولایت شاہ قادریؒ نے تحریک آزادی پاکستان میں پورے جوش وخروش سے حصہ لیا ہے اور مرتبہ شہادت سے سرفراز ہوئے جب قائداعظمؒ نے برصغیر کے طول وعرض میں مسلم لیگ کی تنظیم اور مسلمانان ہند کو مطالبہ پاکستان کے لئے متحد کیا تو آپؒ نے مسلم لیگ کو فعال بنانے اور مطالبہ پاکستان کی اہمیت سے عوام الناس کو رو شناس کرانے کے لئے فقید المثال جد وجہد کی آپؒ ایک شعلہ بیان خطیب تھے اور واعظ بے مثال کے لقب سے جانے جاتے تھے۔آپ نے اپنی آتش نوائی اور شعلہ بیانی کو مسلمانان ہند کے قلوب میں جزبہ حریت پیدا کرنے کے لئے استعمال کیا۔آپؒ نے برصغیر کے طول وعرض میں اپنے متوسلین مریدین اور اولیائے کرام سے محبت رکھنے والوں کو تحریک آزادی ہند میں جد وجہد کے لئے تیار کیا۔ 14 اگست 1947ء کو مملکت خداداد کا ظہور دنیا کے نقشے پر ہوا تو ہندوؤں اور سکھوں نے مسلم کشی کا وہ سلسلہ شروع کر دیا جسے تاریخ انسانی کا بدترین سانحہ قرار دیا جاتا ہے۔حضرت بابا ولایت شاہ قادریؒ کے شب وروز تحریک پاکستان کے لئے وقف تھے اس لئے جونہی تقسیم ہند کا اعلان ہوا تو سکھوں کے مقابلے میں جد وجہد کرتے ہوئے جام شہادت نوش فرمائی۔آپؒ نے اپنی شہادت سے بہت پہلے اپنی جائے شہادت اور قاتلوں کی

نشادہی فرما دی تھی۔آپؒ کے خاندان کے اکثر لوگ قیام پاکستان کے وقت شہید ہو گئے تھے۔صرف چندلوگ زندہ پاکستان پہنچے۔

حضرت بابا ولایت شاہؒ کا شجرہ مبارک۔ان کا شجرہ حسبی اس طرح ہے۔حضرت بابا ولایت شاہؒ کے مرشد کا نام حضرت خواجہ الحاج خیر شاہؒ ان کے مرشد کا نام حضرت خواجہ پیر مامون شاہؒ ان کے مرشد کا نام حضرت خواجہ ثبوت شاہؒ ولی ان کے مرشد کا نام حضرت خواجہ فاضل شاہ قلندرؒ ان کی مرشد کا نام حضرت خواجہ عبدالرحمانؒ ان کے مرشد کا نام حضرت خواجہ عبدالرحمان المعروف پاک رحمانؒ ان کے مرشد کا نام شیخ السلام حافظ حاجی محمد نوشہ گنج بخشؒ ان کے مرشد کا نام خواجہ سخی شاہ سلیمان قادریؒ نوری ان کے مرشد کا نام حضرت خواجہ قطب الکونین شاہ معروفؒ خوشابی ان کے مرشد کا نام خواجہ سید مخدوم مبارکؒ حقانی اوچی ان کے مرشد کا نام حضرت خواجہ سید شاہ محمد غوث اوچیؒ ان کے مرشد کا نام حضرت خواجہ شمس الدین اعظم حلبی ان کے مرشد کا نام حضرت خواجہ ابوعبداللہ شاہؒ میر گیلانی ان کے مرشد کا نام حضرت خواجہ سید ابوالحسن علی گیلانیؒ اُن کے مرشد کا نام حضرت خواجہ ابوالبرکات سید مسعود گیلانیؒ ان کے مرشد کا نا خواجہ سید العباس احمد گیلانیؒ ان کے مرشد کا نام خواجہ سید صفی الدین گیلانی ان کے مرشد کا نام خواجہ سیف الدین عبدالوہابؒ ان کے مرشد کا نام حضرت محی الدین عبدالقادر جیلانیؒ ان کے مرشد کا نام حضرت خواجہ ابوسعید مخدومی ان کے مرشد کا نام حضرت خواجہ ابو الحسنؒ ان کے مرشد کا نام حضرت خواجہ النصرح بن یوسفؒ ان کے مرشد کا نام حضرت خواجہ ابوالفضل عبدالواحد تمیمیؒ ان کے مرشد کا نام خواجہ ابوبکر شیخ شبلی قاسمؒ ان کے مرشد کا نام خواجہ امام ابوالقاسم جنید بغدادیؒ ان کے مرشد کا نام خواجہ ابوالحسن سری سقطیؒ ان کے مرشد کا نام خواجہ حضرت خواجہ ابوالمحفوظ معروف کرخیؒ ان کے مرشد کا نا

خواجہ ابوسلیمان داود دطائیؒ ان کے مرشد کا نام حضرت خواجہ ابومحمد حبیب عجمیؒ ان کے مرشد کا نام حضرت خواجہ ابوسعید حسن بصریؒ ان کے مرشد کا نام حضرت علیؓ۔

یہ بات تو اٹل ہے کہ کسی بھی دلی کامل کی ولایت کا اہم ترین پہلو تعلیم پر مبنی ہوتا ہے حضرت بابا ولایت شاہ قادریؒ نہایت ہی پاک سچے اور یادالٰہی میں مشغول رہتے تھے۔انہوں نے ساری زندگی توحید عشق رسول ﷺ کو اپنا سلیقہ وشعار بیا یا اور لوگوں کو بھی اس پر کار بند رہنے کی ہدایت دی حضرت بابا ولایت شاہ صاحب قادری نوشاہیؒ وعدہ پورا کرنے پر بہت زور دیتے تھے۔انہوں نے زندگی بھر وعدہ پورا کرنے پر لوگوں کو کار بند کیا حضرت بابا ولایت شاہؒ نے لوگوں کو نماز، زکوۃ، روزہ، حج کی تعلیم پر زور دیا۔حضرت بابا ولایت شاہؒ نے سچائی کو اپنی زندگی کا اولین مقصد اپنائے رکھا۔ہمشہ سچ اور پاک بازی کی مثالیں دیتے تھے۔بابا صاحب کا فیض ان کے ذریعے عشاق رسول ﷺ اور االلہ کے نیک بندوں میں مسلسل جارہی ہے۔ہفتہ وار اور ماہانہ محفل کا انعقاد ہوتا ہے اور بہت سے لوگ جوق در جوق حاضر ہو کر برکات کی دعوت سے مالا مال ہوتے ہیں پیر طریقت حکیم محمد عنایت صاحب قادری نوشاہیؒ باشریعت اور حمدل شخصیت کے مالک تھے ان کی خدمت اقدس میں ہر مکتبہ فکر کے لوگ حاضر ہوتے رہے۔قبلہ حکیم میاں محمد عنائیت خان قادری نوشاہی کا وصال 2015 میں ہوا قبلہ میاں جی، حضرت حکیم میاں محمد عنائت خان قادری نوشاہی ﷺ سرگودہا میں آسودہ خاک ہیں۔

محب النبی حضرت خواجہ فخر الدین فخر جہاں دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی حیات وتعلیمات

اولیاء اللہ نے اپنے درس وتدریس اور تحقیق وتصانیف کے ذریعے نہ صرف اسلام کو مقبول اور ہر دل عزیز کیا بلکہ مسلمانوں کے ایمان کو راسخ ومضبوط کیا۔ ایک طرف ان کا علم وفضل، حقیقت وصداقت کی گواہی دیتا رہا اور دوسری طرف ان کی باطنی اور روحانی طاقت اہل علم وبصیرت کی رہنمائی کرتی رہی۔ ان ہستیوں نے سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کرتے ہوئے ارشاد وتبلیغ کی مسند سنبھالی اور معاشرہ کی اصلاح وتربیت کی جو خدمات سرانجام دیں وہ ہماری مذہبی اور ثقافتی تاریخ کا روشن باب ہے۔ انہی برگزیدہ اور چنیدہ شخصیات میں ایک ایسی شخصیت کا نام ہمارے دل ودماغ پر حکمرانی کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے، جن کا نام حضرت خواجہ فخر الدین فخر جہاں دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہے، جو سلسلہ عالیہ چشتیہ نظامیہ کے مجدد اور گمراہی کے اندھیروں میں ہدایت کا نور ہیں۔ آپ اپنے وقت کے بہت بڑے عالم دین، فاضل اور علوم ظاہری و باطنی کے جامع تھے۔

خواجہ فخر الدین فخر جہاںؒ کا نام ونسب

حضرت شاہ فخر الدین فخر جہاں دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا اسم گرامی، فخر الدین، جب کہ محب النبی، فخر جہاں اور برہان العارفین آپؒ کے القاب ہیں۔ اس کے علاوہ

قطب یگانہ، قطب منفرد، قطب وحدت، قطب حقیقت، قطب الاقطاب، پیشوائے محبوبیت وعشق، مقتدائے عارفاں، امام کاملاں، قطب الاولیاء، غوث وقت، فرد الافراد، قطب الافراد، اور محبوب یزداں بھی آپؒ کے القابات وخطابات ہیں۔

خواجہ فخر الدین فخر جہاںؒ کی ولادت باسعادت

شاہ فخر الدین فخر جہاں دہلویؒ کی ولادت 1126 ہجری 1717ء کو اورنگ آباد (انڈیا) میں حضرت شاہ نظام الدین اورنگ آبادی چشتی نظامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے دولت کدہ میں ہوئی۔ حضرت خواجہ فخر الدینؒ کا سلسلہ نسب والد ماجد کی طرف سے حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے واسطے سے حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے اور آپ کی والدہ ماجدہ حضرت خواجہ سید محمد گیسو دراز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے خاندان سے تھیں، جن کا سلسلہ نسب سیدنا امام زین العابدین علیہ السلام سے ہوتا ہوا سیدنا علی المرتضیٰ شیر خدا کرم اللہ وجہہ الکریم تک جاملتا ہے۔

آپؒ کی ولادت پر آپ کے دادا جان حضرت شاہ کلیم اللہ دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بہت مسرت کا اظہار کیا اور آپ کا نام فخر الدین تجویز فرمایا اور از راہ عنایت و کرم اپنا لباس خاص آپؒ کے لیے تحفہ ارسال کیا اور ساتھ ہی یہ بشارت دی کہ؛ یہ بچہ مستقبل میں ہدایت وارشاد کی شمع روشن کرے گا، جس سے مخلوق کے سینے منور ہوں گے اور شریعت وطریقت کے میخانے میں پھر سے بہار آجائے گی۔ یہ بچہ دین حنیف کے لیے باعث فخر ہوگا۔ تاریخ گواہ ہے کہ مستقبل میں خواجہ فخر الدین فخر جہاںؒ اپنے عمل وکردار سے واقعی فخر العالم والدین کا عملی پیکر بنے۔ جس دور میں آپؒ کی ولادت ہوئی، سیاسی لحاظ سے وہ دور مسلمانوں کے زوال اور تنزلی کا دور تھا اور امارت دہلی پر

انحطاط کے با قاعدہ آثار ظاہر ہو چکے تھے۔ ہندوستان کے اطراف واکناف میں سکھ اور مرہٹے خوب لوٹ مار کر رہے تھے اور نادر شاہ کی قتل و غارت بھی عام ہو چکی تھی۔ ان حالات میں دو جگہیں بڑی غیر معمولی نوعیت کی خدمات سرانجام دے رہی تھیں۔ ایک دہلی جس کے بارے میں شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا تھا؛

دہلی میں جس سمت بھی نکلیں، مدارس ہی مدارس نظر آتے تھے، جن میں درس و تدریس کا با قاعدہ دور دورہ تھا۔ ان مدارس میں بھی دو مدارس بہت اہم تھے، ایک مدرسہ جس کی بنیاد شاہ عبدالرحیمؒ نے رکھی تھی اور اس کو عروج کی انتہائی بلندیوں تک حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لے گئے تھے اور دوسرا مدرسہ اجمیری دروازے میں تھا، جہاں لوگ بڑی دور دور سے علم کی پیاس بجھانے آتے تھے، اور یہ مدرسہ حضرت شاہ فخر الدین فخر جہاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مدرسہ تھا۔ خواجہ فخر الدین فخر جہاںؒ کو محب النبی کا لقب عطا ہونا روایات میں ہے کہ خواجہ فخر الدین فخر جہاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو آقا کریم نبی اکرم ﷺ کی ذات سے بے پناہ محبت وعقیدت تھی اور اسی نسبت سے ایک روز حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ اور حضرت خواجہ شاہ چراغ دہلویؒ نے حالت خواب میں آپ کو محب النبی کے لقب سے مخاطب فرمایا۔

خواجہ فخر الدین فخر جہاںؒ کی ابتدائی تعلیم وتربیت

حضرت شاہ نظام الدین اورنگ آبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے ہونہار صاحبزادہ کی تعلیم وتربیت کا انتظام نہایت اعلیٰ پیمانہ پر کیا۔ پھر حضرت شاہ کلیم اللہ دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے حکم پر انہوں نے وقت کے مشہور اور قابل ترین علماء سے خواجہ فخر الدین فخر جہاںؒ کی تعلیم کی تکمیل کرائی۔ شاہ فخر الدین فخر جہاں رحمۃ اللہ تعالیٰ

علیہ نے ابتدائی تعلیم کے علاوہ بہت سی کتب اپنے والد ماجد سے پڑھیں اور اس کے ساتھ ساتھ اپنے وقت کے مشہور اور قابل ترین علماء سے علوم متداولہ میں استفادہ کرنے کے علاوہ مکمل فوجی تربیت، طب پر عبور اور گھڑسواری سمیت سپاہ گری میں بھی مہارت حاصل کی۔ حضرت شاہ فخر الدینؒ نے فصوص الحکم، صدرا اور شمس بازغہ جیسی نابغہ روزگار کتابیں میاں محمد جانؒ سے پڑھیں اور ہدایہ مولانا عبدالحکیم سے پڑھی اور حدیث کی سند انہوں نے دکن کے مشہور محدث مولانا حافظ اسعد الانصاری المکیؒ سے حاصل کی۔

خواجہ فخر الدین فخر جہاںؒ کا روحانی مقام و مرتبہ

حضرت خواجہ فخر الدین فخر جہاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے والد بچپن ہی سے آپؒ سے شفقت فرماتے تھے اور آپ کی اصلاح باطن پر خصوصی توجہ فرماتے تھے اور آپؒ نے اپنے والد گرامی حضرت شاہ نظام الدین اورنگ آبادی چشتی نظامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے دست مبارک پر ہی بیعت کی اور سولہ سال کی عمر میں آپؒ کو خلافت عطا ہوئی۔

آپ شریعت و طریقت دونوں میں عالی مرتبت تھے۔ آپ کے بہن بھائی آپ کو بچپن سے ہی ملا کہہ کر پکارتے، اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ آپؒ ان کے ساتھ کھیل کود کی بجائے، ذات باری تعالیٰ سے اپنے آپ کو مربوط رکھتے۔ جب آپؒ کی عمر مبارک 16 برس ہوئی تو ایک دن آپ کے والد گرامی حضرت شاہ نظام الدینؒ نے آپ کو اپنے پاس بلایا اور دیر تک سینے سے لگائے رکھا اور یوں تمام باطنی اور معنوی وراثت جو انہوں نے حضرت شاہ کلیم اللہ دہلویؒ سے حاصل کی تھی، آگے منتقل کر دی اور بعد ازیں وہ وصال فرما گئے۔

خواجہ فخر الدین فخر جہاںؒ کا ذریعہ معاش

حضرت خواجہ فخر الدین فخر جہاں دہلویؒ نے تعلیم سے فراغت کے بعد سجادگی کی بجائے فوج میں ملازمت اختیار کر لی۔ آپ کا پورا دن تیغ وتلوار اور سنان کی جھنکار میں گزرتا تھا اور رات کو آپ اللہ تعالیٰ کی بندگی میں رکوع وسجود میں مشغول رہتے تھے۔ آپ کی ظاہری وضع قطع ایسی تھی کہ کوئی پہچان نہیں سکتا تھا کہ یہ شخص کس قدر اعلیٰ وارفع روحانی مراتب ومقام طے کر چکا ہے۔ آپؒ کا وصف تھا کہ اپنے آپ کو مکمل اخفاء میں رکھتے تھے۔

اہل لشکر (فوج) میں جب آپ کی نیک نامی، شان وشوکت اور بزرگی کو ظہور ہونا شروع ہوا تو آپ نے ملازمت کو خیر آباد کہہ دیا اور اورنگ آباد میں اپنے والد ماجد کے سجادہ نشین کا عہدہ سنبھال لیا۔ اورنگ آباد میں بھی خواجہ فخر الدین فخر جہاں دہلویؒ نے اپنے احوال مخفی اور پوشیدہ رکھنے کی بھرپور کوشش کی لیکن روز بروز آپ کی نیک نامی اور شہرت کے چرچے زبان زد عام ہونے لگے۔ ان حالات کو دیکھ کر کئی بار آپؒ نے وہاں سے ہجرت کرنے کا ارادہ فرمایا مگر ہر بار یہ خیال آڑھے آجاتا کہ یہاں سے کیسے ہجرت کرو، یہاں تو میرے پیرومرشد اور والد گرامی حضرت شاہ نظام الدین اورنگ آبادیؒ کی قبر مبارک ہے۔ اسی کشمکش میں ایک دن آپ کو خواب میں اپنے والد محترم کی زیارت ہوئی، اس کے بعد آپؒ نے وہاں سے کوچ کر کے دہلی کو اپنا مرکز بنایا۔

خواجہ فخر الدین فخر جہاںؒ کی خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے مزار پر حاضری

اورنگ آباد سے اپنے دو خادمین کے ساتھ خواجہ فخر الدینؒ دہلی کے لیے روانہ ہوئے اور مختلف جگہوں سے ہوتے ہوئے حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کے مزار پر پہنچیا ور مسجد میں اعتکاف کیا۔ پھر سلسلہ چشتیہ کے دیگر مشائخ

کے ہاں حاضری دی اور بالآخر اپنے دادا جان حضرت شاہ کلیم اللہ دہلویؒ کے مزار پر دہلی پہنچے اور تین دن وہاں بھی قیام فرمایا۔

خواجہ فخر الدین فخر جہاںؒ کا دہلی میں قیام اور تبلیغ دین

خواجہ فخر الدین فخر جہاں دہلویؒ نے دہلی میں قیام کے دوران ایک دینی درسگاہ کی بنیاد رکھی اور سلسلہ درس و تدریس کا آغاز کیا اور اسی جگہ پر حضرت خواجہ نور محمد مہارویؒ، آپؒ کے حلقہ مریدین میں شامل ہوئے۔ آپؒ نے اپنے ادارہ میں صرف درسی کتابیں پڑھانے پر اکتفانہ کیا، بلکہ حقائق و معارف کے وہ دریا بہائے کہ حضرت خواجہ محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے دور کی طرح علم و عرفان کا چراغ پھر سے روشن کر دیا۔

حضرت خواجہ فخر الدین فخرِ جہاں کا اندازِ تبلیغ وہی تھا جو آپؒ کے والد اور مرشد حضرت شاہ کلیم اللہؒ کا تھا۔ آپؒ فرماتے کہ غیر مسلموں کو بھی ذکر کرنے کی دعوت اور تلقین کرو، اس انتظار میں نہ رہو کہ پہلے وہ مسلمان ہو جائیں اور پھر ذکر کریں بلکہ جب وہ ذکر کریں گے تو کلمہ حق خود بخود انہیں اپنی طرف کھینچ لے گا۔

خواجہ فخر الدین فخر جہاںؒ کی حضرت فرید الدین گنج شکرؒ کے مزار پر حاضری

دہلی میں کچھ عرصہ قیام کے بعد حضرت خواجہ فخر الدین فخر جہاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے دہلی سے پاک پتن شریف میں حضرت باوا صاحب خواجہ فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مزار اقدس پر حاضری کا ارادہ فرمایا اور اپنے مرید خاص حضرت خواجہ نور محمد مہارویؒ کو اپنے ساتھ لیا اور پاک پتن شریف کی طرف روانہ ہوئے۔ آپؒ کا یہ سفر، عقیدت و محبت کی اپنی مثال آپ ہے کہ آپؒ نے میلوں پیدل سفر کیا، یہاں تک کہ آپؒ کے پاوں میں ورم آ گئے اور آبلے پڑ گئے اور جب چلنے سے مجبور

ہوجاتے تو پاؤں میں مہندی لگا لیتے تا کہ کچھ راحت مل سکے اور پھر محو سفر ہوجاتے۔

پاکپتن سے کچھ دور ایک مقام پر شاہ فخر الدین دہلویؒ نے رات کو قیام کیا۔ جب صبح ہوئی تو خواجہ نور محمد مہارویؒ نے آپؒ کو نہ پایا، جب آپؒ کی تلاش شروع کی تو آپؒ کے پاپوش (جوتے) مل گئے۔ کافی تگ و دو اور جستجو کے بعد پتہ چلا کہ آپؒ حضرت باوا صاحب خواجہ فرید الدین گنج شکرؒ کے مزار شریف پر پہنچ چکے ہیں اور باوا صاحبؒ کے احترام کی وجہ سے ہی اپنے پاپوش اسی جگہ پر چھوڑ آئے تھے۔

خواجہ فخر الدین فخر جہاںؒ کی تصانیف

حضرت شاہ فخر الدین دہلویؒ نے تین کتب خود بھی تصنیف فرمائیں۔ نظام العقائد، رسالہ مرجیہ اور فخر الحسن۔ آپؒ نے اپنی کتاب فخر الحسن، حضرت شاہ ولی اللہؒ کے ایک بیان کی تردید میں لکھی جو انہوں نے سلسلہ چشتیہ کے بارے میں دیا تھا کہ حضرت خواجہ حسن بصریؒ کی سیدنا علی المرتضیٰؓ سے ملاقات ہی ثابت نہیں۔

خواجہ فخر الدین فخر جہاں دہلویؒ کی تصنیف فخر الحسن کو بہت شہرت ملی اور جب یہ کتاب مولانا عبد العلی بحر العلومؒ نے دیکھی تو فرمایا: احسن اعتقاد کے ساتھ ہم جانتے ہیں کہ جو کچھ بزرگوں نے لکھا ہے وہ حق ہے لیکن یہ جو تحقیق اور گہرائی خواجہ فخر الدین دہلویؒ نے کی ہے، ہم کو پہلے معلوم نہ تھی۔

خواجہ فخر الدین فخر جہاں دہلویؒ کے خلفاء و مریدین

خواجہ فخر الدین فخر جہاں دہلویؒ کے مریدین خاص میں سب سے پہلا نام خواجہ نور محمد مہاروی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا آتا ہے۔ سر سید احمد خانؒ لکھتے ہیں کہ جتنے بھی امراء، اہل اقتدار اور سلطان عہد تھے، سب خواجہ فخر الدین فخر جہاں دہلویؒ کی بیعت سے مشرف تھے اور آپؒ کی خاک در کو وسیلہ آبرو اور آپؒ کے غبار آستاں کو تاج و

عزیمت سمجھتے تھے۔

دہلی کے نامور اور بڑے بڑے شاعر و ادیب حضرات آپؒ کے مرید تھے۔ خواجہ احسن اللہ دہلویؒ، مرزا مظہر جانِ جاناں کے شاگرد ہونے کے باوجود خواجہ فخرِ جہاںؒ کے مرید تھے۔ اس کے علاوہ نواب مصطفیٰ خان شیفتہ اور عنایت اللہ جام، مرزا سودا کے شاگرد ہونے کے باوجود آپؒ کے مرید تھے۔

فخر الطالبین میں درج ہے کہ حضرت فخر جہاں دہلویؒ اپنے مریدوں کو ہدایت فرماتے تھے کہ ہر روز سونے سے قبل دن بھر کے حالات کا محاسبہ کریں اور دیکھیں کہ بندہ ہونے کی حیثیت سے اپنے خالق کا حق ادا کیا کہ نہیں۔ حضرت فخر جہاں دہلویؒ اپنے مریدوں کو اس بات کی بھی سختی سے ہدایت فرماتے تھے کہ وقت کا کوئی لمحہ کسی فضول کام میں ضائع نہ ہو اور ہر دم یادِ الٰہی میں گزارو۔

خواجہ فخر الدین فخر جہاںؒ کی حق گوئی و بے باکی

شاہ صاحب قتل و غارت کے یہ منظر دیکھتے تو سخت بے چین اور مضطرب ہوتے۔ مسلمانوں کے خون کی یہ ارزانی دیکھ کر ان کا دل تڑپنے لگتا۔ ان کو بادشاہ پر سخت غصہ آتا کہ وہ اس فتنہ کے انسداد سے کیوں غافل ہے۔

انہی ایام میں ایک روز بادشاہ (اکبر شاہ ثانی) ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور درخواست کی کہ اپنے مبارک قدموں سے قلعہ کو نوازیں۔ خواجہ فخر الدین فخر جہاں دہلویؒ نے اخلاق کریمانہ سے یہ دعوت منظور فرمالی اور جب شاہی قلعہ میں کھانا کھا چکے تو حضرت فخر جہاں دہلویؒ نے بادشاہ سے مخاطب ہو کر کہا:

کوئی بادشاہ جب تک امورِ مملکت میں خود محنت اور مشقت سے کام نہ لے، اس کا بندوبست بہتر نہیں ہوسکتا۔ آپ نے ملک امیروں کے سپرد کر رکھا ہے اور خود اس

کے انتظام سے غافل ہیں۔ یہ بات ملک کے لیے بہتر نہیں ہے مناسب یہی ہے کہ آپ خود انتظام سلطنت کے سلسلے میں محنت کے لیے مستعد ہو جائیں۔ سکھوں کا ناہنجار فرقہ جو اسلام کا مخالف ہے، ملک کے اہم حصوں پر قابض ہے۔ آپ کے امراء آپس میں لڑ رہے ہیں آپ کو چاہیے کہ ان میں محبت اور میل جول پیدا کریں اور ان سب کو تسلی دیکر اپنے ساتھ رکھیں کہ رعایہ کی فلاح و بہبود پر کام کریں کہ دینی اور دنیوی فلاح اسی میں ہے۔

خواجہ فخر الدین فخر جہاںؒ کے معمولات

حضرت فخر جہاں دہلویؒ اپنے معمولات پر سختی سے پابند تھے۔ آپ کا معمول مبارک تھا کہ فجر کی نماز کے بعد اپنے حجر سے میں تشریف لے جاتے اور دن نکلنے تک وہیں رہتے اور اس وقت کسی کو اندر آنے کی اجازت نہ ہوتی تھی۔ اس کے بعد آپ حجرے سے باہر مجلس میں آ کر بیٹھتے، جہاں تمام یاران مخلصان حاضر خدمت ہوتے۔ اس وقت حدیث شریف کا درس شروع ہوتا اور قاعدے کے مطابق کوئی مرید حدیث شریف کی عبارت پڑھتا اور آپ اس پر درس فرماتے۔ پھر کھانے کا وقت ہو جاتا اور قیلولہ کے وقت امیر کلو یا نتھو موجود ہوتے اور خواجہ فخر الدین فخر جہاں دہلویؒ سینہ پر کوئی کتاب رکھ کر مطالعہ میں مصروف ہو جاتے، یہ کتاب عام طور پر فوائد الفوائد ہوتی۔ اس کے بعد خواجہ فخر الدین فخر جہاں دہلویؒ نماز ظہر با جماعت ادا فرماتے۔ تمام یاران مدرسہ نماز با جماعت میں شریک ہوتے اور نماز کے بعد آپ ہر ایک سے خندہ روئی اور بشاشت سے گفتگو فرماتے۔ جمعہ اور سہ شنبہ کو مولوی عظمت اللہ صاحب سے مثنوی مولانا روم سنتے۔ رمضان شریف کے مہینے میں آپ کے زیر سایہ لوگوں کا ذوق عبادت بہت بڑھ جاتا۔ آپ کا معمول تھا کہ ۲۷ رمضان کو سرائے عرب چلے جاتے اور قطب صاحب یا نظام الدین صاحب میں معتکف ہو جاتے۔

خواجہ فخر الدین فخر جہاں دہلویؒ کی حضرت خواجہ نور محمد مہارویؒ پر خاص عنایات

ایک مرتبہ حضرت خواجہ فخر جہاں دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی محفل لگی تھی، حضرت خواجہ فخر جہاں دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے پیارے مرید اور خلیفہ قبلہ عالم حضرت خواجہ نور محمد مہاروی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: ہمارے پنجابی کے پاس جو بھی صدق دل سے حاضر ہوگا یہ اس کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے ملوا دے گا۔

حضرت خواجہ فخر جہاں دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ پنجابی (خواجہ نور محمد مہارویؒ) پورا پنجاب ہی لے جائے گا اور تاریخ گواہ ہے کہ قبلہ عالم خواجہ نور محمد مہاروی رحمۃ اللہ علیہ کی وجہ سے سلسلہ چشتیہ نظامیہ پنجاب میں پھیلا۔

خواجہ فخر الدین فخر جہاں دہلویؒ کا وصال مبارک

معروف روایت کے مطابق خواجہ فخر الدین فخر جہاں دہلویؒ کا وصال مبارک تقریباً 73 برس کی عمر میں 27 جمادی الثانی 1199ھ کو ہوا۔ آپ کا مزار دہلی (انڈیا) میں مرجع خاص و عام ہے۔

حضرت شیخ حافظ خواجہ میاں محمد اسماعیل سہروردی المعروف حضرت میاں وڈا صاحبؒ

سہروردی خاندان نے اسلام کی اشاعت میں گراں قدر خدمات انجام دی ہیں۔ یہ اٹل حقیقت ہے کہ جہاں باقی سلسلوں نے اللہ تعالی کا پیغام لوگوں تک پہنچانے میں بہت زیادہ مشقت اور جد و جہد کی وہاں سلسلہ سہروردیہ نے بھی نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشن کو صادق جذبوں سے جاری وساری رکھا۔ ان بزرگوں کی کڑی میں ایک بہت ہی مشہور بزرگ حضرت میاں وڈا صاحبؒ ہیں جو کہ سلسلہ سہروردیہ کے چشم و چراغ ہیں۔ حضرت حافظ میاں محمد اسماعیل المعروف حضرت میاں وڈا صاحبؒ کے والد گرامی کا نام میاں فتح اللہ تھا۔ والدہ صاحبہ کا نام مائی فریاد صاحبہ تھا۔ میاں صاحب بچپن ہی سے عام بچوں سے الگ تھلگ اور منفرد تھے۔ اللہ تعالی کے ذکر میں مشغول رہتے تھے۔ کھیل کود کی طرف طبیعت مائل نہیں تھی۔

حضرت میاں محمد اسماعیل المعروف میاں وڈا صاحبؒ 995 ہجری میں پیدا ہوئے یہ مغل بادشاہ اکبر اعظم کا دور حکومت تھا۔ میاں صاحب کے آباؤ اجداد پوٹھوہار کے علاقہ ترکراں میں سکونت پذیر رہے۔ میاں وڈا صاحبؒ جس اُستاد سے قران پاک پڑھتے تھے اُنھوں نے میاں وڈا صاحبؒ کے والد صاحب کو بلا کر کہا کہ '' تمہارا بیٹا محمد اسماعیل اولیاء اللہ میں سے ہے۔ اس کی تربیت بھی کسی استاد کامل سے

ہونی چاہئے، میری رائے ہے کہ اسے حافظ عبدالکریم المعروف مخدوم صاحبؒ ساکن موضع لنگر کی خدمت میں بھیجنا چاہیے۔ باپ نے مولوی صاحب سے بیٹے کے متعلق سنا تو بہت خوش ہوا۔ دل ہی دل میں اللہ کا شکر بجالایا اور پھر وقت ضائع کئے بغیر بیٹے کو ساتھ لے کر موضع لنگر کی طرف روانہ ہو گیا۔ مقام مقصود پر پہنچ کر حضرت مخدوم صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ان کی نظر جب بچے پر پڑی تو پہچان لیا کہ وہ کس مقام و مرتبہ کا ولی اللہ ہے۔ باپ بیٹے کو ان کے سپرد کر کے واپس لوٹ گیا اور بیٹا شب و روز حفظ قرآن میں مشغول ہو گیا۔ حضرت مخدوم صاحبؒ اس ولی شاگرد پر خصوصی توجہ فرماتے تھے۔ آپؒ دینی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔ آپ کی والدہ ماجدہ بی بی فریاد بڑی پاکباز عابدہ و زاہدہ تھیں۔ دنیاوی امور و معاملات سے دل برادشتہ ہر وقت محبت الٰہی میں مشغول رہتی تھیں۔ دن کو روزہ رکھتیں اور رات کو قیام فرماتی تھیں۔ ایک دن کا واقعہ ہے کہ نماز تہجد کے بعد سورہ یسین کے وظیفہ میں مصروف تھیں کہ "دیکھا کہ افق آسمان سے ایک روشنی نمودار ہوئی جس نے سارے عالم کو بقعہ نور بنا دیا ہے۔ آپ اسی وقت بارگاہ خداوندی میں سربسجود ہو گئیں اور بڑی آہ و زاری سے اس طرح التجا کرنے گیں۔ "اے خالق ارض و سما! اے رب العالمین! اے حی القیوم! میرے بطن سے جس قدر فرزند پیدا ہوں ان سب کو حافظ عالم، قلب عارف بنانا۔" اللہ تعالی نے اپنی اس عبادت گزار بندی کی دعا کو شرف قبولیت بخشا اور دنیا نے دیکھا کہ آپ کے چاروں بیٹے حافظ قرآن اور عارف کامل تھے۔

حضرت مخدوم صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت عالیہ میں حفظ قرآن پاک کے علاوہ جو ذمہ داری آپ کو سونپی گئی وہ مسجد اور گھر کے لئے پانی بھر کر لانا بھی تھا۔ آپؒ اس کی ادائیگی بڑی محبت اور لگن سے کرتے ایک سال کے بعد آپؒ کو اس ذمہ داری

سے فارغ کر دیا گیا اور لنگر کے لیے آٹا پیسنے پر مامور کر دیئے گئے۔ آپؒ نے اس ذمہ داری کو بھی بڑی خوبی سے نبھایا۔ دو وقت لنگر کے لئے جس قدر آٹا درکار ہوتا ہیں پہنچا دیتے۔ اس دوران قرآن مجید کا ورد بھی کرتے رہتے۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ آٹا پہنچنے میں دیر ہوگئی، حضرت مخدوم صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے ایک درویش کو حقیقت حال معلوم کرنے کے لئے بھیجا۔ درویش نے آ کر حجرے میں دیکھا کہ حافظ محمد اسماعیل رحمتہ اللہ علیہ مشغول بحق ہیں اور آٹے کی چکی از خود چل رہی ہے۔ درویش بڑا حیران ہوا۔ الٹے پاؤں واپس لوٹ گیا اور جو دیکھا تھا جا کر حضرت مخدوم صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں گوش گزار کر دیا۔ آپؒ بہ نفس نفیس خود حجرے کی طرف تشریف لائے۔ دیکھا کہ حافظ صاحبؒ دنیا و مافیہا سے بے نیاز مراقب ہیں اور آٹا از خود پس رہا ہے۔ بہت مسرور و خوش ہوئے اور حافظ صاحبؒ کو اسی حال میں چھوڑ کر واپس لوٹ گئے اور بارگاہ الٰہی میں دعا کی۔ "اے الہ العالمین! اس شخص نے خدمت خوب انجام دی ہے۔ اپنے فضل و کرم سے اسے کامل و مکمل کر اور اس کے تبرکات عوام و خواص کو پہنچا۔ اس کا ذکر خیر ہر پیر و جوان کی زبان پر جاری فرما اور خلائق کو اس کی شاگردی سے بہرہ مند کر۔"

جب آپ دست بدعا تھے تو ہاتف غیبی سے آواز سنی۔ "ہم نے اس کا نام میاں وڈا رکھا ہے۔" اسی دن سے آپ کا یہ نام مشہور ہو گیا اور اس قدر مشہور ہوا کہ لوگوں کو اصل نام تک یاد نہ رہا۔

حضرت حافظ عبد الکریم المعروف مخدوم صاحب رحمتہ اللہ علیہ ابھی دعا سے فارغ ہی ہوئے تھے کہ تھوڑی دیر بعد مراقبہ سے فارغ ہو کر حضرت میاں وڈا نے آٹا اکٹھا کیا اُسے پہنچانے کے بعد استاد گرامی کی خدمت میں اقدس میں حاضر ہوئے تو

استاد نے بڑی شفقت سے قریب بٹھایا اور پھر ارشاد فرمایا۔

بیٹا محمد اسماعیلؒ آج کے بعد تم ہمارے مویشیوں کا دودھ دوہ لایا کرو۔ ''جو حضور کا ارشاد''

آپؒ نے سر تسلیم خم کر دیا اور اس دن سے ٹوکرے میں برتن رکھ کر چراگاہ میں تشریف لے جاتے اور مویشوں کا دودھ دوہ کر لے آتے۔ مخدوم صاحبؒ کے ہمسائیوں نے دیکھا تو انہوں نے بھی آپ سے یہ کام لینا شروع کر دیا۔ اور حافظ صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے اس لئے انکار نہ فرمایا کیونکہ وہ حضرت صاحب کے ہمسائے تھے اور ان کے کام کو استاد کے ادب میں شمار کرتے تھے۔ ایک مدت تک یہی سلسلہ جاری رہا جب استاد کا یہ ادب سر سے اوپر اٹھا ہوتا اور اور ریاضت بارگاہ خداوندی میں مقبول ہوئے تو دودھ کے برتنوں سے بھرا ٹوکرا جو آپ سر پر اٹھا کر لاتے تھے پھول کی طرح ہلکا محسوس ہونے لگا۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا کہ آپ تلاوت میں مشغول ہوتے۔ ایک روز حضرت مخدوم صاحبؒ رحمتہ اللہ علیہ باہر کھیتوں میں تشریف لے گئے ہوئے تھے کہ حافظ صاحب رحمتہ اللہ علیہ کو دیکھ لیا۔ آپؒ نے لوگوں کا دودھ ان کے گھروں میں پہنچایا اور استاد کے وضو کے لئے پانی بھر کر رکھ چھوڑا۔ حضرت مخدوم صاحب رحمتہ اللہ علیہ واپس تشریف لائے تو دو رکعت نماز نفل ادا کی اور پروردگار عالم سے ملتجی ہوئے۔ ''اے اللہ حفظ قرآن مجید اس سعید طالب عالم کے نصیب اچھے کر اور ثمرات حفظ کلام الٰہی عطا فرما۔

چنانچہ استاد کی دعا کی برکت سے آپؒ کو سارا قرآن پاک حفظ ہو گیا اور ظاہری و باطنی برکات روز افزوں میسر ہونے لگیں۔ کسی نے ٹھیک کہا ہے۔ ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد ہر کہ خود او دید او محروم شد ایک دن گھنگھور گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں، ہوا بھی بڑی تیز چل رہی تھی، کسی پل میں زور و شور کی بارش برسنا چاہتی تھی، حضرت مخدوم

صاحبؒ نے فرمایا۔ بیٹا اسماعیل آج نمازیوں کے لئے ڈھیلے کون لائے گا، عنقریب بارش ہوا چاہتی ہے ڈھیلے تر ہو جائیں گے۔" آپؒ نے سنا تو ٹوکرا اٹھایا اور ڈھیلوں کی تلاش میں چل کھڑے ہوئے، رات ہو چکی تھی سیاہ بادلوں نے اندھیرا اور بھی گہرا کر دیا تھا ڈھیلے تلاش کرنے کے بعد لوٹنے میں دیر ہو گئی۔ تو حضرت مخدوم صاحبؒ حجرہ کا دروزہ بند کر کے آرام فرمانے لگے۔ بارش راستے میں ہی شروع ہو گئی تھی جس نے لحظہ بہ لحظہ شدت اختیار کر لی حجرے کے دروازے پر پہنچ کر آپؒ کھڑے ہو گئے۔ استاد کے آرام میں مخل ہونے کو سوئے ادب سمجھا لہذا ٹوکرے پر چادر ڈال دی اور خود دروازے پر کھڑے بھیگتے رہے۔ تہجد کے وقت جب حضرت مخدوم صاحبؒ نے دروازہ کھولا تو سامنے شاگرد پانی میں شرابور کھڑا تھا، ادب و نیازمندی کے اس منظر کو دیکھ کر حضرت مخدوم صاحبؒ کے ہاتھ بارگاہ صمدیت میں اٹھ گئے، گریہ و دردمندی کے عالم میں التجا کرنے لگے۔ ''اے الہ العالمین! اے قادر مطلق! اس طالب صادق کو مقصود و مطلوب تک پہنچا دے اور کامل و مکمل کر۔ اس حال پر صاحب حال بزرگ حضرت فضل شاہ قطب عالم رحمتہ اللہ علیہ کا ارشاد گرامی ہے کہ کرم ہمیشہ ادب پر ہوتا ہے۔ لہٰذا حضرت مخدوم صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے تبرکات و وتحائف حضرت میاں وڈا صاحبؒ کو عطا فرمائے۔ حضرت مخدوم کے حقیقی بھائی اور ایک برادرزادہ بہت افسردہ و ملول ہوئے کہ ساری نعمت کسی اور کو مل گئی ہے۔ حضرت مخدومؒ کو علم ہوا تو ان کو بلا کر فرمایا۔ '' میاں وڈا کو جو میں نے عطا کیا ہے وہ اس کی صادق العقیدت اور حسن خدمت کا نتیجہ ہے۔ البتہ تمہاری اولاد ان کی شاگرد ہو گی اور ان کی صحبت سے فیض یاب ہو گی۔'' اس کے بعد حضرت مخدوم صاحبؒ نے آپ کو اللہ کی مخلوق کی خدمت کے لئے فارغ کر دیا اور اجازت دی کہ جہاں چاہو اقامت گزیں ہو کر درس قرآن مجید میں مشغول ہو جاؤ اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ انشاء اللہ تمہاری قبر پر تا حیات تدریس

قرآن مجید جاری رہے گا اور سلسلہ فیض وخیر برقرار رہے گا۔ مرشد پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے رخصت ہونے کے بعد آپ لنگہ کھوجہ پہنچے جو لنگہ مخدوم صاحب سے دس بارہ میل کے فاصلے پر ہے۔ رات مسجد میں بسر کی۔ سوچا کہ کیوں نہ میں یہیں رک جاؤں۔ گاہے بہ گاہے مرشد کے دیدار سے بھی فیضیاب ہوآیا کروں گا۔ ابھی آپؒ عالم غنودگی میں تھے کہ بذریعہ الہام حضرت مخدوم صاحب نے فرمایا کہ کسی اور جگہ جا کر قیام کرو۔ اب یہاں سے جائے بغیر گزارہ نہ تھا، مرشد کا حکم تھا، لہذا یہاں سے چل کر موضع خوجیانوالی پہنچے اور دریا چناب کے کنارے ایک شیشم کے درخت کے نیچے ڈیرے ڈالے اور درس جاری کیا۔ طالبان علم کشاں کشاں کھنچے چلے آنے لگے اور آپؒ نے وہیں پڑھانا شروع دیا۔ جب کبھی بھوک پیاس کا غلبہ ہوتا تو شیشم کا ایک پتا کھا کر ایک گھونٹ پانی پی لیتے اور پھر درس وتدریس میں مشغول رہتے۔ طالب علم جب بھوک اور پیاس کا ذکر کرتے تو انہیں بھی ایک پتا اپنے ہاتھ سے کھلاتے اور پانی پلاتے تو وہ بفضل تعالی سیر ہو جاتے تھے اور سستی وکمزوری قطعا محسوس نہ ہوتی تھی۔ رفتہ رفتہ آپ کی شہرت دور ونزدیک پھیلنے لگی ہر شخص تمنا کرتا کہ آپؒ اس کے گاؤں میں سکونت اختیار فرمائیں تا کہ خیر وبرکت ہو۔ خصوصا "موضع خوجیانوالی اور امان اللہ پور جو لنگہ کے نام سے مشہور ہے کے لوگ ہر روز سواریاں لے کر آتے اور گاؤں میں چل کر رہنے کے لئے عرض کرتے، مگر آپؒ نہ گئے۔ ایک دن موضع امان اللہ پور کا چودھری میر داد آپؒ کو اپنی پشت پر سوار کر کے گاؤں میں لے گیا۔ اس کی محبت وعقیدت دیکھ کر آپؒ نے اس کی پشت پر اپنا مبارک ہاتھ پھیر دیا اور دعا فرمائی۔ "اے رب العالمین! اس کی اولاد میں برکت دے۔ ہمیشہ ان کو اپنے فضل وکرم سے خوش وخرم اور باایمان وامان رکھ۔ لہذا آپ کی دعا کا اثر آج بھی چودھری میر داد کی اولاد میں پایا جاتا ہے۔

بزرگان دین کرامت کو وجہ بزرگی تسلیم نہیں کرتے یہ از خود رونما ہو جاتی ہے۔ موضع لنگہ کے قیام کے دوران حضرت میاں وڈا رحمتہ اللہ علیہ سے بیشمار کرامات کا ظہور ہوا۔ ایک دن آپؒ موضع سے باہر کہیں جا رہے تھے کہ خیال آیا میرا کوئی حقیقی فرزند نہیں لیکن میرا چچازاد بھائی محمد صالح شرعاً" میرا وارث ہوسکتا ہے۔ کیا اچھا ہو جو مجھ سے فیض حاصل کرے۔ اللہ تعالی نے اپنے ولی کے دل میں گزرنے والے خیال پر مہر قبولت ثبت فرمائی میاں محمد صالح جو ابھی کم سن بچے تھے حاضر خدمت ہوئے اور آپ ان کی تربیت فرمانے لگے۔ عرصہ چھ ماہ میں انہوں نے قرآن مجید حفظ کر لیا اور اس دوران میں انہوں نے درختوں کے پتوں پر گزارا کیا۔ لیکن کسی سے ادھار لینا مناسب نہ سمجھا۔ جب آپ کو علم ہوا تو بھتیجے کے حق میں دعائے خیر کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بے حد کمالات و اوصاف سے متصف ہوئے اور انہیں کی اولاد حضرت میاں وڈا رحمتہ اللہ علیہ کی جانشین ہوئی۔ جب لنگہ میں کافی عرصہ ہو گیا تو آپ نے وہاں میاں حافظ محمد فاضل کو جو آپ کا شاگرد رشید تھا خلیفہ مقرر کیا اور خود وہاں سے چل کر موضع مدہر یانوالہ پہنچے۔ یہاں قوم ہنجرا آباد تھی۔ آپ کو یہ مقام پسند آیا، ڈیرے ڈال دیئے اور درس و تدریس کا کام شروع کر دیا۔ روز افزوں آپ کی شہرت میں اضافہ ہونے لگا اور لوگ حاضر خدمت ہونے لگے۔ قوم ہنجرا کے لوگوں کو آپؒ کی شہرت ایک آنکھ نہ بھائی۔ بغض و حسد ترقی پاتا رہا ایک دن انہوں نے مل کر صلاح مشورہ کیا کہ آپؒ کو علاقے سے نکال دینا چاہیے۔ چنانچہ قوم کے سردار نے ایک اوباش و آوارہ شخص کو اس کام پر مامور کیا۔ اس نے آپؒ کی شان میں گستاخانہ کلمات استعمال کئے اور دھمکی دی کہ اگر آپ یہاں سے نہ گئے تو لاٹھیوں سے خبر لے گا۔ چنانچہ آپؒ وہاں سے اٹھ بیٹھے، ولی اللہ کے دل کو آزردہ کیا، اللہ تعالی کو اپنے ولی کی شان میں قوم ہنجرا کی یہ گستاخی پسند نہ آئی۔ چنانچہ ان پر ایسے حالات وارد ہونے لگے کہ اُن کے مکانات

کھنڈرات میں بدل گئے۔موضع مدہر یانوالہ سے آپؒ طالب علموں کے ہمراہ چل کر موضع فتح پور پہنچے اور ایک درخت کے نیچے درس دینا شروع کیا۔ جب یہاں بھی مشہوری ہونے لگی تو نقل مکانی کا ارادہ فرمایا۔ چنانچہ لاہور آ گئے۔آپ کے درس سے ہزاروں مسلمانوں نے قران پاک کی تعلیم حاصل کی اور عالم اسلام میں درس میاں وڈا صاحبؒ کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔

چنانچہ میاں صاحبؒ 43 برس کی عمر میں لاہور تشریف لے آئے۔ میاں صاحبؒ کا مزار شریف جس جگہ ہے اس علاقے کا نام اس وقت تیل پورہ تھا۔۔میاں صاحبؒ لاہور میں جس مسجد میں سکونت پذیر ہوئے۔وہاں ایک جوگی آباد تھا۔میاں صاحبؒ وہاں قرآن پاک کا درس دینا چاہتے تھے لیکن وہ جوگی قرآن پاک کی تلاوت کے خلاف تھا۔اس کا جادو اس دور میں بہت مشہور تھا۔اس جوگی نے اپنے جادو کے اثر سے مسجد کو حکم دیا کہ چل وہ مسجد وہاں سے حرکت کرنا شروع ہوگئی۔میاں صاحب جوگیؒ کی اس حرکت سے جلال میں آ گئے اور انہوں نے اپنے اعصائے مبارک سے اس مسجد کو حکم دیا کہ رُک جاو۔قیامت تک تمہارے اندر درس و تدریس اور عبادت ہوتی رہے گی۔مسجد وہاں رک گئی اور جنوب کی جانب سے مسجد کی دیوار چھٹ گئی اور پھر مغل بادشاہ شاہجہان کے دور میں اس کی مرمت کروائی گئی۔ الغرض وہ جوگی وہاں سے بھاگ اٹھا اور میاں صاحبؒ نے وہاں درس دینا شروع کر دیا اور دو درس و تدریس کا سلسلہ آج بھی جاری ہے۔(تحقیقات چشتی صفحہ 390)

میاں وڈا صاحبؒ کے فیضان سے آج بھی لوگ مستفید ہوتے ہیں۔آپ کے پاس کوئی شخص بھی قرآن مجید پڑھنے کی غرض سے آتا تو وہ حافظ قرآن بن جاتا۔آپ کی طرف ایک بہت ہی مشہور و معروف واقعہ منسوب ہے۔ایک دفعہ ایک شخص آپؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ میری بیوی حافظ قرآن ہے اور بہت ہی پاک باز

ہے۔ وہ مجھے حکم صادر کرتی ہے کہ میری طرف اس وقت تک نہ آنا جب تک قرآن شریف کے خواندہ نہ بن جاتا۔ میاں صاحبؒ بہت ہی مہربان اور شریف النفس تھے۔ اس شخص نے عرض کی حضور مجھے ایک دن میں ہی قرآن شریف پڑھا دیں۔ آپ نے فرمایا ہم آپؒ کو چھ ماہ میں قرآن مجید پڑھائیں گے۔ میاں صاحبؒ نے اس کو حکم فرمایا کہ تم یہ رات ہمارے ہاں قیام کرو اور صبح فجر کی نماز ہمارے ساتھ باجماعت ادا کرو اور یاد رہے کہ دوران جماعت میں ہے دائیں طرف منہ میں کھڑے ہونا۔ چنانچہ اس ناخواندہ شخص نے ان تمام ہدایات پر عمل کیا اور صبح فجر کی نماز میاں صاحبؒ کے ساتھ ادا کی۔ میاں صاحبؒ نے امامت فرمائی اور فجر کی نماز کے بعد جب فارغ ہوئے تو آپؒ کے دائیں طرف تمام موجود لوگ حافظ قرآن بن گئے اور بائیں طرف تمام ناخواندہ جو لوگ تھے انہیں ناظرہ میں کمال حاصل ہو گیا۔

میاں صاحبؒ درویش صفت اور عاجزی سے لبریز شخصیت کے حامل تھے۔ ایک دفعہ ایک سوداگر آپؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے دیکھا کہ مدرسے کی ظاہری حالت اچھی نہیں اس کی تعمیر و مرمت کی ضرورت ہے تو وہ سوداگر آپؒ کو سونے کی چند اینٹیں دینے لگا۔ آپؒ نے فرمایا یہ انہیں تم مدرسے کے اندر رکھ دو۔ آپؒ نے بڑی شان بے نیازی سے سوداگر کو حکم صادر فرمایا۔ وہ سوداگر اینٹیں رکھ کر اپنی منزل کی طرف چل نکلا۔ میاں صاحبؒ کی طبیعت میں بڑی بے نیازی تھی انہیں دنیاوی مال و دولت سے بالکل لگاؤ نہیں تھا۔ آپؒ صرف اور صرف درس و تدریس میں مشغول رہتے تھے۔ چنانچہ کچھ عرصہ بعد وہ سوداگر واپس آیا اور آپؒ سے ملا اور اظہار کیا کہ میں آپؒ کو کچھ عرصہ پہلے سونے اینٹیں دے کر گیا تھا۔ یہ وہ مجھے استعمال میں نظر نہیں آ رہیں۔ آپؒ نے فرمایا کہ ناراض مت ہو۔ دیکھو وہ متعلقہ اینٹیں وہاں موجود ہیں۔ وہ شخص وہاں گیا اور اینٹیں پا کر شرمندہ و ہو گیا۔

حضرت میاں صاحبؒ نے ساری زندگی عبادت وریاضت میں گزاری۔انہوں نے عشق مصطفیٰؐ کو ہی اپنی زندگی کا شعار بنایا۔حضرت میاں وڈا صاحبؒ نے دورد شریف پڑھنے پر بہت زیادہ تاکید فرمائی۔درود شریف پڑھنے سے تمام تکالیف اور دکھ دور ہوجاتے ہیں۔میاں صاحبؒ نے درود شریف کی نشستوں کا اہتمام کیا اور لوگ جوق در جوق مشرف بہ اسلام ہوئے (تحقیقات چشتی صفحہ 393,392) حضرت میاں حافظ محمد اسماعیل المعروف حضرت میاں وڈاؒ کے مزار اقدس پر انوار میں حضرت جان محمد صاحبؒ حضرت نور محمد صاحبؒ حضرت حافظ محمد صالح صاحبؒ کے مزارات ہیں۔

یہ بات تو اٹل حقیقت ہے کہ کسی بھی ولی کامل کی ولایت کا اہم ترین پہلو اس کی تعلیم پر مبنی ہوتا ہے۔میاں صاحبؒ نہایت ہی پاک سچے اور یاد الٰہی میں مشغول رہنے والی شخصیت تھے۔انہوں نے ساری زندگی توحید اور عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا سلیقہ شعار بنایا اور لوگوں کو بھی اس پر کاربند رہنے کی ہدایت کی۔میاں صاحبؒ وعدہ پورا کرنے پر بہت زور دیتے تھے۔انہوں نے پوری زندگی وعدہ پورا کرنے پر لوگوں کو کاربند کیا۔میاں صاحبؒ نے لوگوں کو نماز روزہ حج زکوۃ ادا کرنے پر بہت زیادہ زور دیا۔انھوں نے سچائی کو بھی اپنی زندگی کا اولین مقصد بنائے رکھا۔ہمیشہ سچ بولا اور سچائی ہی کو عام کیا۔لوگ آپؒ کی سے سچائی اور پاکبازی کی مثالیں دیتے تھے۔ انھیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سے والہانہ محبت اور عشق تھا۔

❁❁❁

من کی نگری ایک فکر افروز کتاب

من کی دنیا عجیب دنیا ہے سمٹے تو قطرہ پھیلے تو سمندر ہے۔ دیکھو تو ذرہ سمجھو تو کائنات کی پہنائیاں اس میں مضمر ہیں۔ حضرت علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے بھی سراغِ زندگی پانے کے لیے من میں ڈوب جانے کی دعوت دی تھی اور اسے سوز و مستی اور جذب و شوق قرار دیا تھا۔ زیرِ نظر گراں قدر تصنیف ”من کی نگری“ صاحب فکر و بصیرت جناب صاحبزادہ محمد اشرف عاصمی ایڈووکیٹ کی دل کشا تحریر ہے۔ جس میں خالق کی اپنی مخلوق سے محبت کا تذکرہ بھی ہے اور بندے کے ٹوٹے ہوئے دل کے ساتھ اپنے رب سے بندھی امید کا اظہار بھی، ایک قانع انسان کے اپنے رب پر کامل یقین اور توکل کا لمحہ لمحہ احساس بھی ہے اور اس یقین کے ذریعے مایوسی کی دلدل سے نکلنے کا عزم بھی، ہجر و وصال کا قصہ بھی ہے اور آفاق گیر عشق کی معجز طرازی بھی۔ معاشرتی اضمحلال کی نشاندہی بھی ہے اور اس کی اصلاح کی کاوش بھی۔ الغرض اس کتاب کے عنوانات ہی کو پڑھ کر اندازہ ہو جاتا ہے کہ من کی نگری وہ گوٹھ ہے جس کے باسی ناامیدی ناشکری سے کوسوں دور اپنے خالق کی رحمت کے سائے تلے عجز و انکسار کے ساتھ باہم شیر و شکر ہیں۔ انحطاط، انتشار، زوال اور مایوسیوں کے اندھیروں میں گھرے ہمارے معاشرے کو قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ کے پیغام اتحاد تنظیم اور یقین کے ذریعے شاہراہ نجات پہ ڈالنے کی ایک سعی کا نام ”من کی نگری“ ہے۔ دعا ہے کہ عاصمی صاحب کی یہ کاوش کامیاب ہو، ان کے خامۂ معجزہ رقم پر توفیقاتِ خیر کے دروازے کھلے رہیں اور وہ یوں ہی خیر پرور سماجی انقلاب کے لیے لکھتے رہیں۔

ڈاکٹر ظفر اقبال نوری

ISBN: 9789697462001
9 789697 462001

قلم فاؤنڈیشن
: بنک سٹاپ، والٹن روڈ، لاہور کینٹ
qalamfoundation2@gmail.com
0300-0515101 / 0309-4105484

Rs: 1500